مضامین

(حصۂ اوّل)

صفحات

(۱) پیش لفظ	از ابوالفضل سید محمود	۲
(۲) حضرت عارفؒ کا نسبی سلسلہ	"	۳
(۳) حالاتِ عارفؒ و اجدادِ عارفؒ . . .	"	۴
(۴) شیخ الشیوخ	علامہ ابوالوفاؒ	۷۶
(۵) تاثراتِ اکابرینِ ملت	اکابرینِ ملت	۷۸
(۶) اقتباسات	رہنمائے دکن	۸۰
(۷) تواریخِ رحلت	شعرائے کرام	۸۲

(حصۂ دوم)

کلامِ عارفؒ

(۱) بحضورِ سرورِ کونینؐ	حضرت عارفؒ	
(۲) بحضورِ غوث الثقلینؓ وغیرہ		۱۵
(۳) قطعاتِ تاریخِ ولادت		۲۶
(۴) " " وفات		۳۴
(۵) " " اعراس		۴۵
(۶) " متفرقات		۵۵
(۷) قطعاتِ تاریخِ طباعت کلامِ عارفؒ . .	ابوالحسنات سید ولی اللہ صاحب قادری	۶۹

حصہ اوّل

تذکرہ

حضرتِ عارف و اجدادِ حضرتِ عارف

مُرتّبہ

ابوالفضل سید محمود قادری

مطبوعہ

نیشنل فائن پرنٹنگ پریس چار کمان حیدرآباد دکن

پیش لفظ

حضرت عارف کے کلام کی اشاعت کے لئے جو فرمائش آپ کے وصال کے بعد کی گئی تھی بالآخر وہ اصرار و مطالبہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ عدیم الفرصتی سے زیادہ کلام کی فراہمی اور ترتیب میں دشواری تاخیر کی وجہ ہوئی۔ الغرض ؎ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا۔

جب کبھی حضرت اشعار موزوں فرماتے تو کاغذ کے کسی پرزے یا لفافے پر لکھ دیتے اور جو کتاب اس وقت زیر مطالعہ رہتی اس میں اس کو لکھ دیتے فراہمی کلام کے لئے ان کتابوں کی ورق گردانی اور پھر اس کی ترتیب کے لئے کافی مہلت درکار تھی۔ چاہتا تھا کہ کچھ اور وقت لوں لیکن حضرت کی صاحبزادی کا اصرار ہوا کہ اس سال حضرت کے عرس تک کسی طرح کلام کی اشاعت ہو جانی چاہئے لہذا ان کی فرمائش کی تکمیل میں ؎ سامنے احباب کے جو کچھ تھا حاضر رکھ دیا

۲۔ حضرت کے مواعظِ حسنہ کی ترتیب و اشاعت کا کام اس سے زیادہ اہم ہے شیخ الاسلام حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری نے حضرت کے وصال کے روز ہی مجھ سے اس کی فرمائش کی تھی۔ ان کی یہ فرمائش اب میرے لئے وصیت کا درجہ رکھتی ہے میاں محمد نثیر الدین حسین سلمہ نے حضرت کے مواعظ کا نوٹ لیا تھا جس کو وہ بغرض تعلیم کنیڈا جاتے وقت حوالہ کر گئے اور اب وہاں سے وہ توجہ دلا رہے ہیں۔ ارادہ ہو رہا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا جائے ؎ السعی منی والاتمام من اللہ۔

۳۔ "کلام عارف" کتابت کے لئے دینے کے بعد خیال ہوا کہ "صاحبِ کلام" کے حالات بھی اجمالاً تحریر اور شایع کئے جائیں۔ چنانچہ لکھنا شروع کیا۔ کچھ حصہ لکھنے کے بعد خیال ہوا کہ حضرت کے اسلاف کے حالات بھی لکھ دیئے جائیں تو مناسب رہے گا کہ ؎ یلوحُ الخطُّ فی القرطاسِ دَهراً ؎ وَکاتبُهُ رَمیمٌ بِالتُّراب

ظاہر ہے کہ ان حالات کا احصاء اس عجالہ میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف تھا تنگئی وقت بھی اس کی متحمل نہ تھی کہ پورے حالات ضبط تحریر میں آسکیں۔ ادھر کاپی نویسی جاری تھی اور ادھر مسودہ نویسی جو کچھ لکھا جا رہا تھا وہ بغرض کتابت پوسٹ کیا جا رہا تھا۔ اس برداشتگی قلم اور روا روی میں اگر کچھ سہو بیانی ہوگئی ہو یا بعض اہم واقعات رہ گئے ہوں تو عذر خواہی کے سوا چارہ نہیں ؎

إذا أحسنتَ فی لفظی قصوراً ‌‌‌‌‌‌ وحِفظی والبراعةَ والبیان

فلا تعجل الی لومی فرقصی ‌‌‌‌‌‌ علیٰ مقدارِ ایقاعِ الزّمان

مارچ ۱۹۶۷ء ‌‌‌‌‌‌ ابو الفضل سید محمود

حضرتِ عارفؔ کا نسبی سلسلہ

نَسَبٌ تَحْسَبُ العلا بِحُلَاہُ قَلَّدَتْہَا نُجُومُہَا الجَوْزَاءُ

(۱) السیّد وحید القادری ابن (۲) السیّد محمّد علی القادری ابن (۳) "شیخ المشائخ افتخار الاکابر والاکارم" السیّد مرتضیٰ القادری ابن (۴) السیّد غلام محی الدین القادری ابن (۵) السیّد حسین القادری ابن (۶) قدوۃ المحققین السیّد موسیٰ القادری ابن (۷) السیّد محمّد القادری ابن (۸) السیّد درویش محی الدین القادری ابن (۹) السیّد عبد المحی الدین القادری ابن (۱۰) سیّد المحققین السیّد شاہ محی الدین ثانی القادری ابن (۱۱) سیّد الابدال سیّد عبد اللطیف القادری الحموی ابن (۱۲) السیّد طاہر القادری الحموی ابن (۱۳) السیّد شرف الدین زاہد القادری الحموی ابن (۱۴) السیّد کمال الدین عارف القادری الحموی ابن (۱۵) السیّد ناصر الدین ہاشم القادری الحموی ابن (۱۶) السیّد قطب الدین محمد القادری الحموی ابن (۱۷) السیّد شہاب الدین ابی العباس احمد القادری الحموی ابن (۱۸) السیّد بدر الدین حسن القادری الحموی ابن (۱۹) السیّد علاء الدین علی القادری الحموی ابن (۲۰) السیّد شمس الدین محمد الثانی القادری الحموی ابن (۲۱) السیّد سیف الدین یحییٰ القادری الحموی "وہو اوّل من نزل بحماۃ" ابن (۲۲) السیّد ظہیر الدین ابی السعود احمد القادری البغدادی ابن (۲۳) السیّد شمس الدین ابی النصر محمد القادری البغدادی ابن (۲۴) السیّد عماد الدین ابی صالح نصر القادری البغدادی ابن (۲۵) سیّد الاقطاب قطب الآفاق السیّد تاج الدین عبد الرزاق القادری البغدادی ابن (۲۶) قطب العارفین سیّد المعشوقین عارف باللہ القائم بامر اللہ "قدمی ہذہ علیٰ رقبۃِ کُلِّ ولی اللہ" غوث الصمدانی صاحب الاشارات والمعانی السیّد عبد القادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

۷۸۶
۹۲

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللهُ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کے ذریعہ جب "تکمیلِ دین" اور "اتمامِ نعمت" کی بشارت دی گئی اور سورۃ النصر کے ذریعہ "نصرتِ الٰہی" اور جوق درجوق "دینِ الٰہی" میں داخلہ پر اظہارِ اطمینان کیا گیا تو یہ جشنِ مسرت منانے کا موقع تھا لیکن دیکھا گیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ یہ وہ آنسو نہ تھے جو انتہائی خوشی اور فرطِ مسرت میں نکل آتے ہیں۔ یہ انتہائی حزن و ملال رنج و غم کے آنسو تھے جو دل پر ٹھیس لگنے سے جاری ہو گئے تھے۔ ان کی حساس فطرت اور فراستِ ایمانی نے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ یہ اندازہ کر لیا کہ جب مشن پایۂ تکمیل کو پہونچ چکا ہے تو اب اس کا چلانے والا بھی شاید نہ رہے گا، کارواں منزلِ مقصود پر پہنچ چکا ہے تو شاید میرِ کارواں بھی رخصت ہو جائے گا، قرب و وصل کی گھڑیاں ہجر و فراق میں تبدیل ہو جائیں گی۔ یہ وہ اندیشے اور خیالات تھے جو ان کے دل و دماغ سے ٹکرا رہے تھے۔ سوال یہ تھا کہ اب آئندہ کیا ہوگا؟

جو مجسّم رحمت بن کر آیا تھا، جو رؤف بھی تھا رحیم بھی، جس کے نرم و نازک لبوں سے اس دنیائے رنگ و بو میں آنے کے فوری بعد پہلی بار جو بات سنی گئی "اُمّتی اُمّتی" تھی وہ کس طرح ان کو جو اس کے ہو چکے تھے بے وسیلہ اور بے سہارا چھوڑ سکتا تھا صدیق رضی اللہ عنہ کی تیز نگاہی کا جب یہ حال تھا تو اس کی نظروں کا کیا حال ہوگا جن میں مَا زَاغَ کا سرمہ لگا تھا، جو پیچھے بھی

اسی طرح دیکھتی تھیں جس طرح سامنے۔ ان نظروں نے تو قیامت تک آنے والے واقعات اور حالات کا جائزہ لے لیا ہوگا۔ پھر اس کے ناخنِ تدبیر و تدبّر نے ان ساری مشکلات کا حل بھی تجویز کیا ہوگا جو آیندہ پیش آنے والی تھیں اور اس کی فکرِ رسا نے ایک لائحۂ عمل یا منصوبہ بھی مرتّب کرکے پیش کردیا ہوگا۔ ہاں یہی ہوا۔ اس نے علےٰ رؤسِ الاشہاد یہ اعلان کیا کہ میں جارہا ہوں لیکن تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی چیز قرآن اور دوسری میری اہلِ بیت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے قیامت تک جُدا نہ ہوں گے تا آنکہ مجھ سے حوضِ کوثر پر آملیں گے۔ لہٰذا جب تک تم اِن دونوں سے وابستہ رہو گے گمراہ نہ ہونے پاؤ گے۔ پھر اس کملی والے جسے اس کملی کے اوڑھنے کی ادا پر یا اَیُّھَا المُزَمِّل سے مخاطب کیا گیا تھا اپنی اس نُورانی کملی میں اپنے داماد فاتح خیبر علیؓ ابن ابی طالب، اپنی چہیتی صاحبزادی سیّدۃُ النسا فاطمہ الزہراؓ اور اپنے محبوب نواسوں سیّدا شبابِ اہل الجنّۃ حسنؓ اور حسینؓ کو لے کر یہ اعلان بھی کردیا کہ یہ اس کے اہلِ بیت ہیں اور پھر اپنے اہلِ بیت کو سفینۂ نوحؑ سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جو اس سفینے میں سوار ہوگا وہ ہلاکت سے محفوظ رہے گا اور جو اسے چھوڑے گا غرق ہوجائے گا۔ الغرض "کتاب و حکمت" کی تعلیم دینے والے نے کتاب بھی چھوڑی اور حکمت کی تعلیم کا بھی انتظام کردیا۔ اس طرح دَورِ نبوّت کے بعد اُمّت کی رُشد و ہدایت کا مرکز منتقل خاندانِ نبوّت ہوگیا۔

تاریخ شاہد ہے، زمانہ گواہ ہے کہ جب کبھی شرک و بدعت کی آندھیاں چلیں، حوادث کے طوفانوں نے دین کے 'شجرۂ طیبہ' کو بیخ و بُن سے اُکھیڑنے کی کوشش کی تو اس کی حفاظت کے لئے جو طبقہ آگے بڑھا وہ یہی تھا۔ اس نے نہ صرف ان طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان آندھیوں اور سیلابوں کا مُنہ پھیر دیا بلکہ اپنے خون سے اس پودے کی آبیاری کی جس سے وہ ایک تناور درخت کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ اس کی جڑیں مضبوط سے مضبوط ہوگئیں اور اس کی شاخوں نے شرق اور غرب کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اَصلُھا ثابتٌ وفرعھا فی السّماء کی یہ وہ عملی تفسیر تھی جو ان مُفسّروں نے پیش کی۔

کربلا کا واقعہ دراصل ان قربانیوں کا نقطۂ آغاز ہے جس میں "گلشنِ نبوت" کے نونہالوں نے اپنی خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نعشوں پر اسلام کی بنیاد رکھی ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جب تک دُنیا میں حق و باطل کی آویزش رہے گی ان قربانیوں کا سلسلہ بھی قایم رہے گا ؎

ستیزہ کار رہے گا ازل سے تا بہ ابد
چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور انشاء اللہ ہر قربانی ایک نئے دورِ حیات کا پیش خیمہ بنے گی۔ بقول مولانا محمد علی جوہر ؎

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سیدہ نے بارگاہِ نبوت میں اپنے شہزادوں کو پیش کر کے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ھذان ابناک فاعطھما شیئاً کہ اے اللہ کے رسول یہ دونوں آپ کے صاحبزادے ہیں انھیں کچھ عطا فرمایئے۔ استدعا مال و دولت کے لئے نہ تھی، دُنیوی جاہ و جلال کے لئے نہ تھی، جن کی طہارت پر آیتِ تطہیر گواہ ہو وہ اپنے پاک دامن کو دُنیا کی کثافت سے کیا آلودہ کرتے۔ مقصود کچھ اور تھا۔

ہر یکے میرد بہ طمعِ سیم و زر
در دلِ من آرزوئے دیگر است

اسی لئے کہا گیا ہے ؎ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اُوست

اس کونین کی دولت لٹانے والے نے جو دینے کے لئے ہی آیا تھا، جس کے بابِ کرم سے کوئی سائل تہی دست واپس نہ ہوا تھا، جن کی زبان سے کبھی بجز تشہد کے لفظ "لا" نہ نکلا تھا بقول حضرت حسان ؓ ؎ لولا التشھد کان لاءہ نعم کہ تشہد نہ ہوتا تو اس کا یہ "لا" بھی "نعم" ہوتا بھلا وہ اپنی صاحبزادی کے سوال کو کیسے رد کر سکتا تھا۔ سوال سائل نے اپنے شایانِ شان کیا تھا اور مسئول وہ تھا کہ جس کی شان کا دینے والا اس کے سوا اور کوئی نہ تھا یعنے نِعمَا الطَّالِبُ وَالمَطلُوبُ والا معاملہ تھا۔ بہر حال جود و سخا کے در کھلے اور دینے والے نے وہ سب کچھ دے دیا کہ مَا عَینٌ رَأَت وَلَا اُذُنٌ سَمِعَت۔

واہ کیا جودو کرم ہے شہِ بطحٰی تیرا
نہیں سُنتا نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہِ تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کی تجسّس میں ہے دریا تیرا

آسماں خوان زمیں خوان زمانہ مہماں
صاحبِ خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

اس کا جمال تو پہلے ہی شہزادوں میں تقسیم ہوچکا تھا۔ بڑے صاحبزادے سر سے لے کر ناف تک مرأتِ جمالِ مصطفیٰ تھے اور چھوٹے صاحبزادے ناف سے لے کر ناخنِ پا تک اپنے نانا کے ہم شبیہ تھے۔ غرض کانا تصویرین لرسول اللہ۔ اب ان میں کمالاتِ مُصطفوی بھی تقسیم ہوگئے۔ فرمایا امّا الحسن فلہ ھیبتی وسُوددی وامّا الحُسین فلہ جرءتی وجُودی کہ حسنؓ کو میں نے اپنی ہیبت اور سرداری دی اور حسینؓ کو اپنی جرأت اور بخشش عطا کی۔ اور پھر شہادت کے منصبِ جلیلہ کو بھی ان دونوں میں بانٹ دیا۔ حسنؓ کو شہادتِ خفی دی اور حسینؓ کو شہادتِ جلی حضرت امیر مینائی نے کیا خوب کہا ؎

حسنؓ کو سبز تو رنگت ملی حسینؓ کو سُرخ
بٹی نواسوں میں کیسی حنا دینے کی

حسنی اور حُسینی جمال اور کمال کے ان دو دریاؤں کا قرنِ خامس میں سنگم ہوا تو اس مرج البحرین یا قِرانُ السعدین سے ایک ایسا گوہرِ نایاب پیدا ہوا جس میں حسنی سیادت بھی تھی اور حُسینی شجاعت بھی جس میں ان دونوں کا جمال بھی تھا اور کمال بھی۔

فدائی کیا خوب کہتے ہیں ؎

اے علیؓ در دو جہاں جز تو نباشد مرتضٰی
اے رضا جوئے نبیؐ با تو رضا جوید خُدا

نامِ یک چشمت حسنؓ نامِ دگر چشمت حسینؓ
زاں دو شد یک نُور پیدا نامِ اُو غوث الوریٰؓ

جس نے اس کے جمالِ جہاں آرا کو دیکھا بے ساختہ پکار اٹھا ؎

آں یار ہماں ست مگر جامہ دگر کرد
آں جامہ دگر کرد و دگر بارہ برآمد

کسی نے جھوم جھوم کر یہ گنگنا نا شروع کیا ؎

یہ جو صورت ہے تری صورتِ جاناں ہے یہی
وہی نقشہ ہے وہی رنگ ہے ساماں ہے وہی

اور کوئی کہہ اُٹھا ؎ آرے ایں جمال جمالِ محمدؐ است وایں کمال کمالِ محمدؐ است
(شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلویؒ)

آنے والے نے بالآخر خود ہی اعلان کر دیا کہ

ھٰذا وُجُودِ جَدّی لَا وجودِ عبدالقادر

مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ عرض کرتے ہیں ؎

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

تو حُسینی حَسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے دریا تیرا

مُصطفےٰؐ کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا

ابنِ زہرؓا کو مبارک ہو عروسِ قدرت
قادری پائیں تصدق مرے دولھا تیرا

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابنِ ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

نبوی مینھ علوی فصل بتولی گلشن
حسنی پھول حُسینی ہے مہکتا تیرا

نبوی ظل علوی برج بتولی منزل
حسنی چاند حُسینی ہے اُجالا تیرا

نبوی خور علوی کوہ بتولی معدن
حسنی لعل حُسینی ہے تجلا تیرا

وہ نخلِ دین جس کی آبیاری حُسینؓ نے اپنے خون سے کی تھی اب خشک ہو رہا تھا۔ دین کے صاف و شفاف چشمہ میں شرک و بدعت کے نالے مل کر گندگی پیدا کر رہے تھے اسلام کی اصل شکل و صورت باقی نہ رہی تھی، اس کے چہرے سے ضعف و اضمحلال کے آثار نمایاں تھے اس کی حالت ایسے مردِ بیمار کی تھی جو مختلف بیماریوں اور عوارض میں مبتلا ہو کر بستر پر لیٹے ہوئے بس موت کا انتظار کر رہا ہو اسلام کا بیرونی ڈھانچہ رہ گیا تھا وہ ایک ایسا جسد تھا

جس میں رُوح موجود نہ تھی۔ عین اس عالم میں ہاتفِ غیبی نے ندا دی ؎

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید — کہ زانفاسِ خوشش بوئے کسے می آید

از غم و ہجر مکن نالہ و فریاد کہ دوش — زدہ ام فالے و فریاد رسے می آید

حضرت حافظ نے فرمایا تھا کہ ؎

فیضِ رُوح القدس ار باز مدد فرماید — دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

چنانچہ آنے والے نے جب دِین کے تنِ مُردہ میں جان ڈالی تو سب نے جان لیا کہ یہ اسی فیض کا حامل ہے۔ سچ پوچھیئے تو احیائے دین کا یہ لافانی کارنامہ وہی انجام دے سکتا تھا جو "عبدِ قادر" بھی ہو "محی الدین" بھی "غوثِ اعظم" بھی ہو "پیرِ دستگیر" بھی اور جب اس کے ہاتھوں سے یہ انجام پایا تو سب پکار اُٹھے ؎

شریعت کو کیا زندہ طریقت کو کیا تازہ — مسیحائی میں لاثانی محی الدین جیلانیؒ

اس کے بعد اس کے نقشِ قدم پر چلنے والوں نے اس شمع کو جو اس نے جلائی تھی روشن رکھا اور نہ صرف روشن رکھا بلکہ اس کی روشنی دُنیا کے عرض و طول میں پھیلائی۔ ان پاکبازوں نے اپنا وطن چھوڑا، اپنے عزیز و اقارب چھوڑے، اپنے آرام و آسایش کو خیرباد کہا، مصیبتیں جھیلیں، دُور دراز علاقوں کا سفر کیا اور اس پیام کو گوشہ گوشہ میں پہونچا دیا جس کو لے کر محمدِ عربی (روحی فداہٗ) آئے تھے۔ انھوں نے یہ نہیں کیا کہ کسی مقام سے گزرتے ہوئے کچھ احکام بیان کر دیئے یا کسی جگہ ٹھیرے تو کچھ کام کی باتیں بتا دیں اور پھر چل پھر کر اپنے گھر لوٹ آئے۔ اُنھیں جب کوئی تاریک منطقہ نظر آیا تو پھر ان کے قدم وہاں سے آگے نہ بڑھ سکے انھوں نے یہ سمجھا کہ یہی مقام اُن کا میدانِ عمل ہے چنانچہ وہ وہیں کے ہو رہے۔ انھوں نے اپنی ساری زندگی وہیں گزار دی اور وہیں پیوندِ خاک ہو گئے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

آج اکثریت اور اقلیت کی اصطلاحوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔ ہر اقلیت اکثریت کے جور و تشدد کا شکوہ اور اپنی بے بسی اور مظلومیت کا اظہار کرتی ہے لیکن ان شکوہ کرنے والوں نے کبھی یہ سوچا کہ یہ اللہ کے بندے جہاں کہیں گئے کیا ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں گئے اور پھر کیا ان کے ساتھ کوئی قوت اور طاقت تھی کیا وہ بھی کوئی عصری اسلحہ رکھتے تھے۔ کیا وہ بھی کوئی ہیڈروجن بم یا آکسیجن بم ساتھ لے گئے تھے کہ جس کو چلا کر انھوں نے فتح کے شادیانے بجائے۔ ان میں سے کوئی چیز بھی تو ان کے ساتھ نہ تھی یہ جہاں گئے تنہا یہ تقدیر گئے یا اپنے ساتھ چند شکستہ حالوں کو لے کر گئے جن کے پیٹ میں نہ پوری غذا تھی نہ جن کے جسم پر پورا لباس تھا۔ ان کی غذا خدا کا ذکر اور ان کا لباس تقویٰ تھا۔ ان کی پاکیزہ سیرت اور ان کا مضبوط کردار ان کا ہیڈروجن اور آکسیجن بم تھا وہ تعداد میں کم تھے لیکن کروڑوں پر بھاری تھے ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ آسمان سے فرشتے تو اتر کر نہیں آئے ہیں ان کی صحبت میں وہ مقناطیسی قوت تھی کہ جو ان کے نزدیک آیا وہ انہی کا ہو گیا۔ ان کی نگاہوں میں وہ سحر تھا کہ یہ جس پر پڑیں وہ ان کا بندۂ بے دام ہو گیا ان کی زبان میں وہ حلاوت اور شیرینی تھی کہ جس نے دلوں کو موہ لیا۔ الغرض وہ جہاں سے بھی ساز و سامان ساتھ لے گئے اور جس جگہ بیٹھے پھر وہاں سے نہ اٹھے۔ دنیا کے دور دراز علاقوں میں چلے جاؤ آج بھی وہاں ان کی نشانیاں اور نقوشِ قدم نظر آئیں گے بقول کسے ؎ ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی ؞ کہے دیتی ہے شوخیٔ نقشِ پا کی

الحاصل ؎ وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک ؞ ہوائے رحمتِ پروردگار آتی ہے

یہ ہے "سلسلہ قادریہ" کی اشاعتِ دین کی خدمت اور تبلیغی و اصلاحی سرگرمی جس کی مثال شاید دنیا کی کوئی جماعت پیش نہ کر سکے۔

آج ہم جس [illegible] کو ایک جھونکا تھا جو شاہ [illegible] کے گلشنِ قادریہ سے دسویں صدی ہجری

میں کرنول آیا اور جس نے اس بے برگ وگیاہ علاقہ کو ایک لہلہاتے گلستان میں تبدیل کر دیا۔ میرا اشارہ سید الابدال حضرت سید عبداللطیف حموی قدس سرہٗ سے ہے جو پندرھویں پشت میں حضور غوثِ پاکؓ کے صاحبزادے ہوتے ہیں۔ کہاں حماہ اور کہاں کرنول ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

اس بُعد مسافت کے علاوہ اُس زمانے کے سفر کی صعوبتوں کو بھی ذہن میں رکھو اور غور کرو کہ اس مردِ مجاہد کو ان صعوبتوں کو برداشت کر کے اس قدر طویل سفر طے کرنے کی ضرورت کیا تھی کیا یہاں اس کے کوئی خویش اقارب تھے جن سے ملاقات مقصود تھی، کیا اس مقام سے اس کی کوئی تجارت تھی کہ کہا جا سکے اس سلسلے میں اس کا آنا ہوا تھا، کیا یہاں اس کے کوئی دوست احباب تھے کہ خیال کیا جا سکے کہ انھوں نے اسے دعوت دی ہوگی یا پھر یہاں کوئی خزانہ نکلا تھا یا یہ کوئی زرخیز علاقہ تھا کہ کہا جا سکے کہ اس نے اپنی معاشی حالت دُرست کرنے کے لئے ادھر کا رُخ کیا تھا ان میں کوئی چیز بھی تو نہ تھی۔ جب یہ کوئی محرکات نہ تھے تو پھر آخر کیا چیز کشاں کشاں یہاں لائی تھی۔ اس کا جواب ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ؎

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

"سیروا فی الارض" اور "ولتکن منکم اُمّۃ یدعون الی الخیر یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر" کی یہ وہ لگن تھی کہ جس کے آگے ہر مصیبت راحت اور ہر مشکل آسان تھی اور جذبہ شوق و عزیمت کا یہ عالم تھا کہ ؎

ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلا　　اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

یہ جذبہ آج ہم کو عیسائی مبلغوں میں ملتا ہے کہاں امریکہ اور کہاں افریقہ کے جنگل اور کوہِ ہمالیہ و مراکش کے دامن تبلیغ کا ایک جال ہے کہ ساری دُنیا میں پھیلا ہوا ہے دُور دراز اور پسماندہ سے پسماندہ مقامات پر زندگیاں صرف کی جا رہی ہیں نتائج سامنے ہیں جو چیز اپنی تھی آج دوسروں کے پاس ہے اس "ضالّۃ المومن" کو کبھی واپس لینے کا ہم کو بھول کر

بھی خیال نہیں آتا گویا اس میں کوئی میعاد عارض ہوگئی ہے۔ وقت اور زمانے کی شکایت کرنے والوں کو پہلے یہ سوچنا چاہیئے کہ ہم کہاں تک اپنے اسلاف کی راہ پہ گامزن ہیں اور کہاں تک ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں ؎

تا کے ملامتِ مژۂ اشکبارِ من　　یکبارہ ہم نصیحتِ چشمِ سیاہ خویش

ذکر حضرت عارف کے جدِّ اعلیٰ کا ہو رہا تھا۔ بات دُور تک جو پہونچی ؎

بات نکلی تھی ان کے قامت کی　　پہونچی یہ فتنۂ قیامت تک

کہہ رہا تھا کہ حماہ سے کرنول کو تشریف آوری ایک خاص مقصد کے تحت ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کفر و ضلالت، فسق و فجور، جور و تشدّد کی ہر طرف ہنگامہ آرائی تھی اور اس شر و فساد کی بیخ کنی کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ انتظار بس اس کا تھا کہ ؎

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

چنانچہ انتظار کی یہ گھڑیاں ختم ہوئیں "احیائے دین" کا کام "محی الدین" کے صاحبزادے کے سوا اور کون کر سکتا تھا مشیت ایزدی بھی شاید یہ چاہتی تھی کہ اس کا سہرا اس کے سر باندھا جائے جو راسِ اتقیا اور سرگروہ اصفیا ہو۔ اذا ارادَ اللّٰہ شیئاً ھیّی اسبابہٗ جب حق سبحانہٗ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے اسباب بھی فراہم کر دیتے ہیں۔ صورت یہ پیش آئی کہ حاکمِ وقت راجہ گوپال کی لڑکی کے سانپ ڈس لیا جس سے وہ فوت ہوگئی۔ سارے کرنول میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ ارتھی کا جلوس نکلا اور بڑے تزک و احتشام سے نکلا۔ راجہ و رعایا سب ہی ساتھ تھے۔ حسبِ طریق ہنود باجے بج رہے تھے حضرت لا اُبالی کے گوشِ حق نیوش میں جب یہ صدا پہونچی تو دریافت فرمایا "ایں چہ نوع تہنیت است"؟ عرض کیا گیا کہ یہ مراسم تہنیت نہیں مراسمِ تعزیت ہیں۔ اس نواح میں ارتھی اسی طرح لے جائی جاتی ہے۔ یہ راجہ کی لڑکی کی میت ہے جو اس تزک و احتشام سے لے جائی جا رہی ہے۔ دریائے رحمت جوش میں آگیا۔ فرمایا راجہ سے دریافت کرو کہ اگر بحکم قادرِ مطلق لڑکی زندہ ہوجائے تو

کیا وہ اسلام قبول کرے گا۔ راجہ نے یہ پیام جاں بخش پایا تو کہلا بھیجا کہ

"اگر چنیں نعمتِ بے غایت بما نصیب گردد ما بہ توابعین دلواحقین تشریف اسلام در برکنم وحلقۂ زندگی آں بزرگ درگوشِ ارادت دارم"۔ جلوس رُکا میّت کاندھوں سے زمین پر رکھی گئی اور اب وہ زبانِ حال سے کہہ رہی تھی ؎

دِہ بر سرِ تابوتم یک جلوہ بہ رعنائی ۔۔۔ اے در لبِ لعلِ تو اعجازِ مسیحائی

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ادھر نگاہ جاں بخش پڑی اور اُدھر یخرج الحیّ من المیّت کا ظہور ہوا۔ لڑکی کیا زندہ ہوئی سارے مُردہ دل زندہ ہوگئے۔ راجہ مع اپنے خدم و حشم کے حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ جو کل تک سیاہ دل اور سیاہ باطن تھے آج ان کی پیشانیاں نورِ ایمان سے چمک رہی تھیں ؎ یخرجھم من الظّلماتِ الی النّور کی تفسیر سب کے سمجھ میں آگئی۔ یہ وہ انقلاب انگیز واقعہ تھا جس نے گویا کرنول کی قسمت بدل دی اور اگر ایسا ہوا تو تعجب کا مقام نہیں کہ ؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

پھر اس انقلاب میں نہ کوئی کشت و خون ہوا نہ ہتھیار استعمال ہوئے۔ بس ایک نگاہِ ناز تھی جس نے سب کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا تھا۔ ہاں جس کی نظر تیر و سنان ہو اور جس کی زبان تلوار سے زیادہ تیز ہو اسے اور ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے ؎

سیف ہو جس کی زباں شمشیر کی حاجت نہیں ۔۔۔ تیز ہو جس کی نظر پھر تیر کی حاجت نہیں

بقولِ حضرت جلیل ؎ ۔۔۔ ادا اک دیکھنے کی ہے وہ جس سے قتل کرتے ہیں

نہ خنجر ہے نگاہوں میں نہ ہے تلوار آنکھوں میں

بہر حال چشم زدن میں سارے کرنول کا سر ارادت آپ کے قدموں پر تھا۔ سب کے دل آپ کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر ہو چکے تھے۔ بمصداق ؎

تم ہوئے ہم ہوئے کہ میرؔ ہوئے ۔۔۔ سب اسی زُلف کے اسیر ہوئے

رُشد و ہدایت کے اس آفتاب سے نہ معلوم کتنے ذرّوں نے اکتسابِ نور کیا اور جگمگا اُٹھے

اور نہ معلوم اس بحرِ کرم سے کتنے چشمہ ہائے فیض جاری ہوئے اور کون کون سے بے برگ و گیاہ اور بنجر علاقوں کو میراب کیا۔ اس اجمال میں اس تفصیل کی گنجایش کہاں؟

سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

یہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ ان اللہ والوں نے جس مقام کو اپنا میدانِ عمل بنایا وہیں اپنی زندگیاں صرف کردیں اُدخلوا فی السِّلمِ کافةً کے تحت انھوں نے اپنے آپ کو پوری طرح خدا کے حوالہ کردیا تھا۔ وہ اپنے نفوس قدسی کو خدا کے ہاتھ بیچ چکے تھے۔ اِنَّ اللہ اشتریٰ من المومنین انفُسَھم۔ اس "سپردگی کُلّی" اور "بیع النفس" کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ان کا جینا اور مرنا بس خدا کے لئے ہوتا تھا۔ اِنَّ صلاتی ونُسُکی ومحیایَ وَمماتی للہ ربّ العالمین وہ جہاں کہیں انَّ ارضی واسعة فتھاجروا فیھا کے تحت جاتے تو اس کو اپنا وطن بنا لیتے اور یہ یقین رکھتے کہ

ہر مُلک مُلکِ ماست کہ مُلکِ خدائے ماست

چنانچہ حضرت سیّد الابدال کے لئے کرنول نیا مقام تھا لیکن جب انھوں نے اس کو اپنا میدانِ عمل بنایا تو پھر اس کو اپنا وطن بنا لیا یہیں انھوں نے اپنی زندگی کے زرّین لمحات صرف کئے اور بالآخر اپنے رفیقِ اعلیٰ سے ۷ر ذی حجہ ۱۰۴۷ھ کو جا ملے۔

خِرد گفت تاریخ آں دستگیر ❊ بہ ہیچ آہ ۳ وھو اللطیف الخبیر

۱۰۴۷ھ

جس طرح سارے اقطاع ارض ان اللہ والوں کے سمندِ عمل کے جولان گاہ تھے اور ہر ملک کو وہ اپنا ملک سمجھتے تھے اسی طرح وہ پوری نسلِ انسانی کو ایک کنبہ یا قبیلہ سمجھتے تھے۔ جس طرح انھوں نے دریاؤں اور پہاڑوں کے فرضی جغرافی حدود و فاصل کو گرادیا اسی طرح انھوں نے ذات پات، کالے گورے غرض یہ کہ جملہ نسلی امتیازات کی دیواریں گرادیں۔ وحدتِ نسلِ انسانی

کا یہ وہ تصوّر تھا جس کو دُنیا کے مُبلغِ اعظم (روحی فداہ) نے یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ کُلُّکُم من آدم وآدم من تراب ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگرند | کہ در آفرینش زیک جوہرند

اس ہمہ گیر تصوّر سے دُنیا کے کان پہلے آشنا نہ ہوئے تھے۔ ان اللہ والوں نے اس تصوّر کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا اور جب کبھی اپنے ابنائے جنس کو مصیبت اور تکلیف میں پایا۔ تو وہ تڑپ اُٹھے، ان کی دستگیری کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی حضرت سیّد الابدالؒ کے حالات میں تو یہاں تک مرقوم ہے کہ

"حضرت سیّد الابدال را شغل وحدت و مرتبہ استغراق توحید چناں غلبہ کردہ بود کہ حرف دوئی در وجود شریف ایشاں نماندہ بود و تمامی وجود عالم وجود آنحضرت گشتہ"

وہاں تو یہ حال تھا کہ انسان تو کجا کسی جانور کو اذیّت پہنچتی تو یہ بے تاب ہوجاتے چنانچہ صاحب لطائف قادریہ نے یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ ایک ہیزم فروش اپنی گائے پر لکڑیاں لاد کرلے جارہا تھا۔ آپ کے روبرو اس نے گائے کو تازیانہ لگایا اور نتیجہ یہ ہوا کہ "سیّد الابدال ازخود بے تاب شد و چہرۂ مبارک متغیّر گشت و آہِ سرد کشید۔ چوں تفحص احوال کردند نشانِ چابکِ وے بر پشتِ مبارک آنحضرت بعینہ نمایاں دیدند"

اسی باعث اب تک یہ طریقہ ہے کہ اندرونِ احاطہ روضۂ انور نہ کسی پرند کو مارا جاتا ہے نہ کسی بچّے کو اس کی شرارت پر گوشمالی دی جاتی ہے نہ کسی کو سخت سُست کہا جاتا ہے۔ گویا جو یہاں آجاتا ہے اس کو امن و اماں کا پروانہ مل جاتا ہے ؎ ومن دخلہ کان امنا

کہا جاتا ہے کہ چالیس سال تک آپ نے تجرّد کی زندگی بسر کی بمصداق ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند | فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

اگر شریعتِ محمدیہ اور سنّتِ خیر البریہ کی اتباع مقصود نہ ہوتی شاید اس غیر متاہلانہ زندگی کا سلسلہ جاری رہتا۔ الحاصل جب اس کا وقت آیا تو بوقتِ واحد دو عقد فرمائے لیکن اس کے بعد یہ صورت پیش آئی کہ جب کبھی کوئی صاحبزادے تولد ہوتے تو آپ دستِ مبارک میں لے کر ھذا امیّت فرماتے اور نومولود کی رُوح قبض ہو جاتی جب کئی دفعہ یہ صورت رونما ہوئی تو خُدام نے عرض کیا "ما می خواہیم از وجود صاحبزادہا فیضِ دوام برداریم معاملہ بر عکس می گردد" فرمایا "حضرت بما عہدہ کردہ است کہ ہر پسرے کہ چوں تولد زندہ خواہد ماند و آنکہ نہ باشد انتقال او موجب رفع ملال بود" یعنے شرطیہ ٹھیری کہ جو فرزند حضور کے جمال و کمال کا حامل ہو وہی زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ "چوں جواہر خمسہ از صدف شکم دو شریفہ بوجود آمدند حضرت عالی کلمۂ مذکور تلفظ نمودند یعنے از بطن یک عفیفہ دو ستارۂ فلک سیادت و از شکم ثانی سہ گوہر شاہوار بہ جلوۂ ظہور آمدہ بزم جہاں رونق افزودند۔"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بطن حضرتہ فاطمہ[ع] سے دو صاحبزادے سید عبد اللہ و سید عیسیٰ اور بطن حضرتہ ولی شاہ ماں صاحبہ سے سید موسیٰ، سید محی الدین اور سید طاہر پیدا ہوئے (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)۔

عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے دونوں صاحبزادے شہادت کے بلند و بالا مقام سے سرفراز ہوئے اسی فاطمہ ثانی کے

ع حضرتہ فاطمہ کا انتقال ۲۵ رشعبان ۱۰۶۲ھ کو ہوا۔ مزار روضہ حضرت لا اُبالیؒ واقع کرنول میں ہے۔ حضرتہ ولی شاہ ماں صاحبہ حضرت سید شاہ حمزہ حسینی کی دختر نیک اختر تھیں جو اکمل مشایخ چشتیہ تھے حضرتہ کا انتقال ۹ رجب ۱۰۶۹ھ کو ہوا۔ مزار آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت سید شاہ طاہر قادری کے روضہ واقع ادونی میں ہے (منقول از شجرہ طیبہ نزد مولوی سید ظہیر الدین صاحب قادری سجادہ درگاہ حضرت شہزادہ قادری آدونی)

دونوں قرۃ العین بھی اس منصبِ عالی سے مفتخر ہوئے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ؎ یہ منصبِ بلند ملا جس کو مل گیا ✥ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

مرقوم ہے کہ حضرت سید عبد اللہ کو جب ولادت کے بعد پدر بزرگوار کے روبرو پیش کیا گیا تو فرمایا۔
" فرزندم عبد اللہ در فلاں وقت عالم علم اللہ گردد۔ علم ظاہر نیز چنداں حاصل نماید کہ علمائے عصر بہ فضیلت او اقرار نمایند و اکثر مسایل صوفی را در قالب شریعت بیان کند"
چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بارہ سال کی عمر میں آپ نے علومِ ظاہری میں کافی دستگاہ حاصل کر لی تھی اور حفظ آدابِ شریعت کا یہ حال تھا کہ کسی نے آپ سے مستحبات و مسنونات کو تک ترک ہوتے ہوئے نہ دیکھا۔ بیعت و خلافت آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے خلیفۂ اجل حضرت شیخ علیؒ (المتوفی ۲۲ ربیع الاول ۱۰۸۰ھ) اور اپنے خسر حضرت سید شاہ ابوالحسن قادریؒ سے جو "سبعہ قادری" میں شمار ہوتے ہیں حاصل فرمائی۔ حضرت ابوالحسن کی صاحبزادی پاشاہ صاحبہ سے عقد اور اپنے خسر سے خلافت کے بعد آپ کا بیجاپور اور کرنول دونوں جگہ قیام رہنے لگا۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۰۸۱ھ کو بمقام چیتل درگ جو بیجاپور اور کرنول کے درمیان واقع ہے جہادِ بالکفار میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ شہادت کے بعد بھی تین چار کفار کو آپ نے جہنم واصل کیا جبکہ انھوں نے آپ کے قبضہ سے تلوار لینی چاہی۔
رات میں راجہ نے خواب دیکھا کہ کوئی اس کو اٹھا کر زمین پر پٹکنا چاہتا ہے یکایک اس کی آنکھیں دہشت سے کھل گئیں دیکھا کیا ہے کہ حضرت روبرو کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تیری سلامتی اسی میں ہے کہ قتل گاہ سے ہماری نعش ہمارے پدر بزرگوار کے پاس پہونچا دیں۔ راجہ نے رات لرزاں و ترساں گزاری جب صبح ہوئی تو دریافت کیا کہ کل جنگ میں کیا کوئی مہا پرش مارے گئے ہیں۔ کہا گیا کہ ہاں اس صفت کے ایک بزرگ شہید ہوئے ہیں۔ یہ خبر پاکر راجہ گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی نعش کے پاس آیا اور پابوسی کے بعد

چاہا کہ دستِ مبارک سے تلوار جدا کرے کہ پھر دستِ مبارک میں حرکت پیدا ہوئی۔ راجہ کے جسم میں لرزہ پڑ گیا آخر اسی حال میں اس نے حضرت کی نعش کرنول بھیج دی جہاں وہ اپنے والدِ بزرگوار کے روضہ میں مع شمشیر دفن کئے گئے۔ وَلَا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ سچ ہے ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

حضرت سید عیسیٰؒ بھی جب ولادت کے بعد حضرت سید الابدالؒ کے روبرو پیش کئے گئے تو اذاں و اقامت کے بعد فرمایا کہ "فرزندم عیسیٰ در ہیجدہ سالگی مرتبہ شہادت خواہد رسید" چنانچہ ۷ ار رمضان ۱۱۷۰ھ کو آپ نے منصبِ شہادت پایا اور آپ بھی مع شمشیر مدفون ہوئے۔ قبضہ سے بعد شہادت بھی کوئی تلوار جدا نہ کر سکا۔ قرآن میں ہے اِنَّ بطش ربک لشدید تو ان کی نسبت یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ ؎ دست او جز قبضۂ اللہ نیست۔

جس طرح حضرت فاطمہ کے دونوں صاحبزادوں کے حصہ میں شہادت آئی، حضرت ولی شاہ میاں کے تینوں صاحبزادے مقام قطبیت سے سرفراز کئے گئے۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت سید موسیٰ قادری جو حضرت سید الابدالؒ کے دوسرے صاحبزادے ہوتے ہیں ولادت کے بعد جب پدرِ بزرگوار کے سامنے لائے گئے تو ارشاد ہوا "فرزندم موسیٰ بدرجہ تارکین خواہد رسید" چنانچہ یہی ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں آپ نے اپنے پدرِ بزرگوار سے بیعت فرمائی اور اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد غلبۂ حال میں جس حالت میں تشریف فرما تھے اسی حالت میں اُٹھے اور بیجاپور کا رُخ کیا۔ اِدھر بیجاپور کو سواری بادِ بہاری جا رہی تھی اور اُدھر قطبِ وقت حضرت شاہ میاں محمد مدرسؒ قلعہ کے اطراف چکر لگاتے

ہوئے سب کو یہ خوش خبری سُنا رہے تھے کہ ؎ "یاراں مرا بوئے غوثِ اعظم می آید"
سُبحان اللہ کیا قوتِ شامہ ہے ؎

نجد سے جانبِ لیلیٰ جو ہوا آتی ہے ۔۔۔ دلِ مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

حضرت یعقوبؑ نے بھی تو اسی طرح پیراہنِ یوسفؑ کی بو ان کے آنے سے پہلے سونگھ لی تھی۔ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون ۔ الغرض جب حضرت قلعہ بیجا پور پہونچے تو حضرت شاہ مدرس نے اپنے فرزندوں شاہ زین العابدین و شاہ سید عبد الرحمٰن کو خیر مقدم کے لئے روانہ کیا لیکن وفورِ شوق میں رہا نہ گیا۔ فرزندوں کو بھیجنے کے بعد خود بھی چل کھڑے ہوئے اور حضرت کو اپنی قیامگاہ پر لے آئے اور ایک کمرے میں لے جاکر اندر سے دروازہ بند کرلیا جو مسلسل تین روز تک بند رہا۔ تین روز کے بعد جب دونوں باہر نکلے تو یہ تمیز کرنا دشوار ہوگیا کہ شاہ مدرس کون ہیں اور شاہ موسیٰ کون ؎

جذبۂ وصل بحد یست میانِ من وتو ۔۔۔ کہ رقیب آمد و پرسید نشانِ من وتو

آخر افضل التارکین شاہ موسیٰ نے رفع اشتباہ کے لئے نعلین چوبیں شاہ مدرس کے سامنے رکھ دیئے اور اس وقت پتہ چلا کہ یہ شاہ محمد مدرس ہیں اور یہ شاہ موسیٰ۔ افضل التارکین نے شاہ مدرس سے طریق شطاریہ میں اور شاہ محمد مدرس نے افضل التارکین سے طریق قادریہ میں خرقہ پہنایا یعنے ؎ ۔۔۔ ایں دو شمع اند کہ از یکدگر افروختہ اند

کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک افضل التارکین حضرت سید شاہ مدرسؒ کی خدمت میں رہے اور جب وہ بارِ ثانی حج کے لئے گئے تو آپ بھی ان کے ہم سفر رہے لیکن بارِ ثالث جب شاہ مدرس حج کے لئے جارہے تھے اور آپ نے بھی جانا چاہا تو ملک جہاں وزیر سکندر ثانی نے حضرت کو روک لیا کہ اس کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ ایک روز سکندر ثانی نے ایک دانہ مروارید کو جو بیضۂ کبوتر کے برابر تھا ملک جہاں کو دے کر فرمائش کی کہ ایک اور دانہ مروارید اس کے مساوی مہیا کرے۔ ایک زمانہ تک اس نے تلاش کی مگر کوشش کارآمد نہ ہوئی۔

حضرت کی خدمت میں بھی اس دانۂ مروارید کو بتانے کے لئے لایا تو آپ نے فرمایا کہ اگر فقیر کا اعتبار
ہے تو آج ایک روز کے لئے اس کو یہاں رکھ دے چناں چہ ملک جہاں اسے حضرت کے پاس رکھ کر
چلا گیا دوسرے روز جب واپس لینے آیا تو حضرت نے دو موتی کے دانے پیش کر کے فرمایا کہ
ان میں سے اس کا لایا ہوا موتی وہ حاصل کر لے ملک جہاں کے لئے دونوں میں امتیاز کرنا دشوار
ہو گیا عرض کیا کہ اجازت ہو تو لے جا کر ایک نظر بادشاہ کو دکھاؤں غرض جب سکندر ثانی نے
دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہا کہ ہمارے تاج کے اس کی سخت ضرورت تھی جو
اس کی جو قیمت بتائیں وہ دے دی جائے۔ ملک جہاں نے جب بادشاہ کا یہ پیام حضرت
پہونچایا تو ارشاد ہوا کہ "ما مردم فقیرایم سوداگر نیستیم کہ بیع کنیم اگر بادشاہ نزا مطلوب
بود چرا از فقیر درخواست نہ کرد کہ سخن خرید درمیان آورد" اور پھر ایک موتی لے کر فرمایا
کہ یہ تیرے بادشاہ کا ہے اس کو پہونچا دے اور دوسرے موتی کو آپ نے کنوئیں میں
پھینک دیا۔ اس واقعہ کے بعد ملک جہاں کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اگرچہ سکندر ثانی
کے تعلقات حضرت سے کشیدہ ہو گئے۔ ایک روز ملک جہاں نے گزارش کی کہ "بزرگان پیشین
خادمانِ خود را سرفراز فرمودہ از بندۂ درگاہ عاجزہ دارد اگر بہ شرف خدمت و خلوت مقبول شود
زہے عزّ و شرف" فرمایا "ملک جہاں ما فقیریم و شما امیر۔ چگونہ موافقت کند" خانِ مذکور نے
گزارش کی کہ "من از آنحضرت ارادۂ نسبت نمی کنم بخدمت می گزرانم" حضرت نے بالآخر استدعا
قبول کی جب ملک جہاں کی دختر نیک اختر حضرت کے دولت خانہ میں آئی تو ارشاد ہوا کہ
جسم پر جس قدر زیور ہے اور جو ظروف طلائی و نقروی جہیز میں آئے ہیں سامنے پیش کرے۔
اور جب یہ پیش کئے گئے تو اس تمام زر و جواہر کو کوٹ کر اس قیمتی لباس کے جوڑوں کو جو
ساتھ بھیجے گئے تھے پارہ پارہ کر کے سیپ کے برابر پوٹلیوں میں باندھا اور دروازہ پر رکھ کر
یہ اعلان فرما دیا کہ ہر درویش ایک ایک پوٹلی اُٹھالے الغرض ایک ہی دن میں آپ نے زیور
اور سارے جہیز کو لُٹا کر عفیفہ کو اپنے ہم رنگ بنا دیا اس کے بعد زوجۂ عالیہ کو اپنے باپ کے

گھر جانے کی اجازت نہ ملی۔ ایک مرتبہ خوشدامن کے اصرار پر اس شرط سے بھیجا کہ وہاں کوئی چیز استعمال نہ کی جائے اور ایک وقتِ معینہ کے اندر واپس ہو۔ جب اُم المومنین زہرہ صاحبہ ؏ اپنے والدین کے گھر آئیں اور وقت معہودہ گزرنے کا وقت آیا تو والدین سے اجازت واپسی طلب کیں۔ والدہ نے کہا کہ والدین کے گھر سے بغیر کھائے پیئے جانے کا قاعدہ نہیں ہے ام المومنین نے عذر پیش کیا کہ حضرت نے ممانعت فرمائی ہے۔ ماں نے کہا کہ حضرت اپنے گھر میں تشریف رکھتے ہیں ان کو کیسی اطلاع مل سکتی ہے بہرحال مجبور کر کے ایک تلا ہوا انڈا کھلا دیا۔ جب واپس ہوئیں تو ارشاد ہوا کہ ایک شرط پوری ہوئی لیکن دوسری کی تکمیل نہ ہو سکی۔ تمھارے بطن میں فرزندِ لطیف ہے اس میں کسی قسم کی کثافت نہ ہونی چاہیئے اس کے بعد املی کے کھٹے میں تانبے کے پیسوں کو جوش دے کر اُم المومنین کو پلانا شروع کیا جس سے اتنے استفراغ ہوئے کہ قریب تھا کہ حمل ساقط ہو جائے جب سفید پانی نکلنے لگا تو فرمایا کہ اب تمھارے شکم میں لطافت کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی بناء پر حضرت افضل الناس لکین اپنے صاحبزادے کے متعلق فرمایا کرتے تھے "فرزند غلام لطیف است لطیف خود بود و لطیف خواہد رفت" حضرت کے اس قول کو نقل کر کے صاحب لطایف قادریہ کہتے ہیں کہ "آرے وُجود ایشاں چناں بود" کسی نے آپ کی تاریخ وصال بھی اسی مناسبت سے خوب کہی ہے ؎ "لطیف بُد، لطیف آمد، لطیف رفت"

۱۱۲۰ھ

کہا جاتا ہے کہ سکندر ثانی نے بطور جاگیر ایک موضع نذر گزراننا چاہا اور اس کی سند تحریر کر کے حضرت کی خدمت میں روانہ کی۔ جس پر آپ نے یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا کہ

شاہ ما را دیہہ دہد منت نہد　　　رازقِ ما رزق بے منت دہد

؏ زہرہ صاحبہ حضرت تاج الدین صاحب جمال کی اولاد سے تھیں جو حضرت شکر باران فرید کی برادری سے تھے جن کا مزار پُلی کنڈہ (ضلع اننت پور) میں واقع ہے۔ حضرتہ کا انتقال ۱۶ ذی قعدہ ۱۱۲۹ھ کو ہوا۔ مزار بیجاپور میں واقع ہے۔ (منقول از شجرہ شاہ ظہیر الدین صاحب سجادہ آدونی)

حضرت کے مُریدوں کی تعداد ایک لاکھ بیان کی جاتی ہے جب کبھی اپنے عمّ بزرگوار حضرت سید شاہ محی الدین ثانیؒ سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کے لئے حیدرآباد تشریف لاتے تو تقریباً چار سو مُریدین و معتقدین ہمرکاب رہتے اور کئی منزل تک رتھوں اور بار برداری کی سواریوں کا تانتا لگا ہوا ہوتا حُدودِ شہر میں داخل ہونے کے بعد عمِ بزرگوار کے متعلق دریافت فرماتے کہ کس مقام پر تشریف فرما ہیں اور پھر خدم وحشم کو چھوڑ کر پا پیادہ اُس طرف نکل جاتے اور قدم بوس ہوتے عمِ بزرگوار اگر عالمِ استغراق میں ہوتے تو دریافت فرماتے کون ہے۔ آپ عرض کرتے کہ غلام عبد اللطیف ہے۔ ارشاد ہوتا "بابا عبد اللطیف شمارا حق تعالیٰ بہ مرتبہ مشیختِ اعلیٰ رسانیدہ است پس چرا از من ملاقات می نمائید و عار می آید کہ مردماں چہ گویند کہ عمّ ایں بزرگ چنیں کہنہ دلق و فقیر است" آپ گزارش کرتے کہ "یا عمّی مارا از نسبت غلامیٔ حضرت افتخار دارین ست و فقرِ حضرت مشیخت مارا عزّت می دہد۔"

جب آپ باغ لنگم پلّی میں تشریف فرما تھے سلطان ابو الحسن قطب شاہ بھی باغ کے سیر کے بہانے سے نکلا تا کہ حضرت سے شرفِ ملاقات حاصل کرے حضرت نے ازراہ کشف اُس کا ارادہ معلوم کر لیا اور زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ "کنیزک زادہ ایں جاہم خلل انداخت" اور وہاں سے اُٹھ کر حسین ساگر کی طرف چلے گئے۔ بادشاہ نے جب باغ میں حضرت کو نہ پایا اور اطلاع ملی کہ حسین ساگر کی طرف سواری گئی ہے تو اس نے بھی ادھر کا ارادہ کیا۔ آپ نے کہلا بھیجا کہ فقیر کو تیرنا نہیں آتا ہے اگر تم یہاں آؤ گے تو فقیر خود کو پانی میں ڈال دے گا اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا وبال تمھاری گردن پر رہے گا۔ مقربانِ شاہی نے عرض کیا کہ حضرت کے خلافِ مرضی قدم اُٹھانا احتیاط کے خلاف ہے جس پر بادشاہ نے اپنا ارادہ ملتوی کیا لیکن قاصد کو بھیج کر اپنا اشتیاق ملاقات ظاہر کیا فرمایا کہ تمھارے بادشاہ کو ایک بزرگ سے شرف بیعت و صحبت حاصل ہے

عہ آپ لاولد تھے اس لئے سید محمد مدنیؒ فرزند حضرت شاہ عبد المحی الدینؒ کو اپنی فرزندیت میں لے کر تعلیم و تربیت فرمائی اور خرقۂ خلافت دے کر اپنا قایم مقام کیا۔ ۱۴ رجادی الثانی ۱۱۳۱ھ کو بیجاپور میں آپ کا وصال ہوا اور اپنے پدر کے بازو دفن ہوئے۔

فقیر کی ملاقات سے یہ خلل واقع ہوگا کہ بادشاہ اپنے شیخ سے برگشتہ اعتقاد اس فقیر کا معتقد ہو جائے گا۔ یہ دونوں باتیں نامناسب ہیں لہذا ملاقات کی ضرورت نہیں۔ دوسری مرتبہ بادشاہ نے پھر گزارش کی اور ملاقات کی اجازت چاہی اور نیک نام خاں کو خدمتِ اقدس میں اس غرض کے لئے روانہ کیا۔ ارشاد فرمایا نیک نام خاں تمھارے بادشاہ کا مقصد فقیر کی دُعا ہے اور فقیر مسلمانوں اور سلاطین اسلام کے لئے ہمیشہ دست بہ دُعا ہے پس مُلاقات ضروری نہیں۔ بادشاہ کو تشفی نہ ہوئی تیسری مرتبہ پھر گزارش پیش کی حضرت کو اس دفعہ ملال آگیا۔ فرمایا کہ "بادشاہ ترا بگو کہ تو درویشی ما را قبول نہ کنی و ما سلطنت ترا کہ برباد است اقبال نہ نمائم۔ پس طرفین را شرفِ ملاقات نخواہد شد" کچھ عرصہ نہ گزرا کہ عالمگیر نے فوج کشی کی اور حضرت کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔

حضرت سید الابدالؒ کے چوتھے صاحبزادے حضرت سید شاہ طاہر قادری عرف شاہ حضرت کی نسبت بھی اسی قسم کی روایت مرقوم ہے۔ جب نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ پدر نظام الملک نے اپنا اشتیاقِ ملاقات ظاہر کیا تو فرمایا "این فقیر تارک دُنیا است۔ من از وے ارادۂ طلب دنیا ندارم و اُو از من امر عاقبت نمی خواہد۔ پس از ملاقات چہ نتیجہ خواہد بود"۔ البتہ جب نظام الملک کو بتوسط مسعود خاں جبکہ ان کی عمر سات سال تھی نواب غازی الدین خاں نے خدمت میں پیش کر کے معروضہ کیا "ہمیں یک عصائے نابینا است آنحضرت دُعائے خیر در حق این پسر فرمایند کہ صاحب نصیب و فتحیاب گردد" تو آپ نے ان کو اپنی فرزندیت میں لے کر ستر بار فتح ان کی پشت پر تحریر فرما کر ارشاد کیا کہ "این پسر ہمیشہ مظفر و منصور خواہد بود"۔ اسی طرح جب اعظم شاہ پسر عالمگیر نے درخواست ملاقات کی تو فرمایا کہ "مقصود از فقرا حصول دُعائے خیر است و فقیر حاضر و غائب داعی بالخیر است۔ احتیاج ملاقات و آمدن شہزادہ حاجت ندارد" شہنشاہ ہند نے ارادۂ ملاقات کیا تو نواب فیروز جنگ نے اعظم شاہ کو جو جواب ملا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے گزارش کی کہ "حضرت ایشاں درویش مستغنی المزاج اند و قدرت کاملہ و قوت ولایت بمرتبہ دارند

از جہاں پناہ ملاقات نخواہند کرد" حضرت کے یہ حالات سن کر شہنشاہ کی حسرت دید اور بڑھ گئی اور حکم دیا کہ کم از کم آپ کی تصویر کھینچ کر پیش کی جائے چنانچہ جب پیش کی گئی تو دیکھ کر کہا کہ "آرے شیخ با قدرت و پر غضب است" لطایف اللطیف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے صاحبزادوں سے شہنشاہ ہند کو ملاقات کا اتفاق ہوا اور اس ملاقات سے جو تاثرات شہنشاہ کے دل و دماغ پر مرتب ہوئے انہی کے الفاظ میں سن لیجیے۔ کہتے ہیں "مشائخین دکن ہمہ جاہل و طالب عزّت و جاہ مگر فرزندان شاہ حضرت" حضرتؒ کے صاحبزادے سید شاہ عبداللطیف سے جب ملاقات ہوئی تو صاحبزادے نے شہنشاہِ ہند سے مخاطب ہو کر فرمایا "شما اہلِ دل را نہ دیدہ باشید" ایک طرف شہنشاہ ہند کے جاہ و جلال کو پیش نظر رکھئے اور دوسری طرف اس انداز گفتگو کو دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ صاحبزادے کس شان و شوکت کے حامل تھے۔ اور کس بلند مرتبہ پر فایز تھے سچ ہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی　　　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

بقول کسے ؎　　علیؑ کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس گھر کا ہر اک بچہ
　　　　جہاں پیدا ہوا شیرِ خدا معلوم ہوتا ہے

اسی مناسبت سے جب حضرت سید شاہ طاہر قادریؒ کا ۲۲ ذی قعدہ ۱۱۱۵ھ کو وصال ہوا تو کسی نے "شیرِ خدا" تاریخ لکھی جو حضرت کے مزار واقع ادونی پر بصورت کتبہ موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پدر بزرگوار نے آپ کی ولادت کے بعد ہی یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "ایں فرزندم سید طاہر در وقت خویش فیض وہبی و نعمت اُویسی از حضرت غوث الثقلینؓ حاصل نماید و مرتبہ غوثیت را بہ کمال رساند و یکے از جملہ ابدال حق باشد" چنانچہ یہی ہوا۔ فیض باطنی کے علاوہ آپ علوم ظاہری میں بھی درجہ کمال رکھتے تھے صاحبِ لطایف قادریہ تحریر کرتے ہیں کہ "شاہ حضرت قادری را استعداد علمی ہر علم و قوت و قدرت قابلیت ہر فن بکمال مرتبہ بود کہ ذات آنحضرت جامع کمالات بود" کنز النفایس اور "خوان نعما" آپ کی مشہور تصانیف

ہیں۔ فنِ خطاطی میں بھی کافی مہارت تھی آپ کے حُکم کی تعمیل میں جب آپ کے مُرید خاص مسعود خاں والی ادونی نے جامع مسجد تعمیر کی تو آپ نے نہ صرف اس کی تاریخیں نکالیں بلکہ اپنے دستِ خاص سے کتبے تیار کر کے مسجد کے بالائی حصّہ پر نصب کروائے چنانچہ یہ کتبے اب تک موجود ہیں اور فنِ خطاطی کا بہترین نمونہ ہیں۔

شعر و سخن سے آپ کو بہت دلچسپی تھی چنانچہ اعظم شاہ کے موسومہ اکثر مکاتیب بہ شکل نظم ہیں۔ کلام نمونہ کے طور پر چند رُباعیاں ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

طاہرا عزت از قناعت دال | راست گفتند عزّ مَن قنع
ذِلّت و خواری از طمع خیزد | نشنودی کہ ذلّ مَن طمع

طاہرا ہر چہ در جہاں فانیست | دل پر وبستنت زنادانیست
دل براں حق لایموت بہ بند | کش بذات و صفات لافانیست

طاہرا عیب کس مجو ہر گز | عیب جوئے ز عیب دار عجیب
در پسِ ہر کسے نکوئی گو | نصّ قرآں نگر ولا یغتب

طاہرا دل مابند در گیتی | زاں کہ وہ سجن ہا عذاب کنند
آنکہ شد طالب جنیں مُردار | نامش از زمرہ کلاب کنند

حضرت عارف کے جدّ امجد حضرت پیر شہ محی الدین ثانیؒ آپ کے بڑے بھائی اور اپنے والد بزرگوار کے بہ روایت صاحب لطایف قادریہ محبوب ترین صاحبزادے اور ولی مادرزاد تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "حضرت ایشاں از خمسہ لطیف محبوب ترین فرزندان سیدالابدالؒ فرزند سوئم بودند کہ ولی مادر زاد و صاحب خوارق بود" شکل و شمائل میں آپ حضور غوثِ اعظمؒ سے مشابہت تامّہ رکھتے تھے اور اسی بنا پر آپ کو "محی الدین ثانی" کہا جانے لگا۔ غالباً یہ بھی محبوبیت کی ایک وجہ ہوگی۔ ولادت کے بعد پدر بزرگوار نے اپنے مبارک

ہاتھوں میں لیکر فرمایا "فرزندم محی الدین صاحب چہل سالگی مرتبہ قطبیت حاصل نماید" آپ کی عمر ابھی سات سال کی تھی کہ خوارق عادات کا ظہور شروع ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ پدر بزرگوار کا مکان تعمیر ہو رہا تھا اس کے لئے شہتیر جب کاٹی گئی تو نصف گز طول میں کم پڑ گئی۔ کاریگر متردد تھے کہ کیا کیا جائے عین اس وقت آپ مکتب سے واپس ہوتے ہوئے اس مقام پر پہونچے اور وجہ تردد دریافت کی۔ عرض کیا گیا کہ شہتیر غلطی سے نصف گز کم کاٹ دی گئی ہے اور اب دوسری شہتیر خریدنے کے سوائے چارہ نہیں ہے۔ آپ نے یہ سن کر اس شہتیر کے ایک سرے کو پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور کہا کہ اب تم اس کو لگا سکتے ہو۔ فی الواقع طول نصف گز بڑھ چکا تھا۔ اس واقعہ کی اطلاع شدہ شدہ پدر بزرگوار کو پہونچی تو ارشاد فرمایا "بابا محی الدین دریں عمر تو تو اظہار خرق می نمائی معلوم شد کہ نزدیک من در قمر نگرد (کمر نول) نخواہی ماند و ہم ترا نزد ما نخواہند گزاشت" چنانچہ یہی ہوا۔ حضرت سید الابدالؒ کے وصال کے بعد آپ حیدرآباد آگئے۔ یہاں حضرت شاہ ابدال سید میراں حسینی حموی کے صاحبزادے حضرت سید عبدالقادر ملکاپوری کی صاحبزادی بی بی صاحبہؒ سے آپ نے عقد فرمایا اور اس کے بعد تقریباً چوبیس سال تک اپنے خسر بزرگوار کے دولت خانہ میں اقامت فرمائی اس کے بعد اس پیشین گوئی کی تکمیل کا وقت آگیا جو والد ماجد نے کی تھی کہ چالیس سال کی عمر میں منصب قطبیت سے سرفراز

عہ حضرت بی بی صاحبہ کا ۱۸ ذی قعدہ ۱۰۹۹ھ کو انتقال ہوا۔ مزار کاروان میں واقع ہے۔ آپ کے بطن سے ایک صاحبزادی اُمّۃ الفاطمہ بی ولی صاحبہ اور تین صاحبزادے سید عبدالمحی الدین، سید عبداللطیف و سید پیر پاشا پیدا ہوئے۔ صاحبزادی حضرت سید عبداللطیف ثانی فرزند حضرت سید عبداللہ ابن حضرت سید الابدال سے منسوب ہوئیں اور آپ کا وصال ۵ رمضان ۱۱۴۰ھ کو ہوا۔ مزار روضہ حضرت سید شاہ طاہر قادری ادونی میں واقع ہے۔ حضرت سید عبدالمحی الدین کا وصال ۱۲ جمادی الاول ۱۰۸۵ھ کو عنفوان شباب میں ہوا مزار لنگر حوض میں واقع ہے حضرت بی بی حمید سلطان بنت سید حسن ثانی قادری ابن سید محمد قادری ابن سید حسن قادری حموی آپ کے حبالہ عقد میں آئی تھیں۔ ان کا انتقال ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۳ھ کو ہوا۔ حضرت سید عبدالمحی الدین کے وصال کے وقت آپ کے بڑے صاحبزادے سید درویش محی الدین قادری کی عمر ۴ سال اور چھوٹے صاحبزادے سید محمد مدنی کی عمر ۲ سال تھی۔ بڑے صاحبزادے نے اپنے جد امجد کے آغوش میں تربیت پائی دوسرے صاحبزادے حضرت سید عبداللطیف ابن حضرت سید موسیٰ قادری بیجاپوری کے جانشین ہوئے اس لئے کہ حضرت لاولد تھے۔ اور ان کا وصال ۲۹ ذی قعدہ ۱۱۲۰ھ کو ہوا مزار بیجاپور میں واقع ہے ۔ منقول از شجرہ سید ظہیر الدین

ہوئے۔ چنانچہ گھر بار اور شہر کو چھوڑ اور لق و دق جنگل و صحرا یا کسی غار میں مصروفِ عبادت رہنے لگے اور ؎

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند | فرزند و عیال و خاناں را چہ کند
دیوانہ کنی و دو جہاں را بخشی | دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

والا معاملہ پیش آیا۔ بسا اوقات کچکول ہنڈہ کے غار میں جو ٹولی چوکی کی راہ میں واقع ہے مشغولِ عبادت ہوتے اور مسلسل دو دو ماہ تک واپس نہ ہوتے۔ اُس زمانے میں وہاں گھنا جنگل تھا جہاں درندوں کے سوا کوئی آبادی نہ تھی۔ دن کے وقت بھی اس مقام پر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی لیکن بقول صاحبِ قصیدہ بردہ ؎

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُولِ اللهِ نُصْرَتُهُ | اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِي اٰجَامِهَا تَجِمِ

جو خدا و رسول کے حفظ و امان میں ہو اور زمرۂ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ میں داخل ہو گیا ہو اس کو درندوں کا کیا خوف ہو سکتا ہے ؎

اَنَا مِنْ رِجَالٍ لَا يَخَافُ جَلِيْسُهُمْ ۔ رَيْبَ الزَّمَانِ وَلَا يَرٰى مَا يَرْهَبُ

اس کی شان ہو جاتی ہے۔

اس غار کے بالائے کوہ آپ کی یادگار میں کسی نے ایک چوکھنڈی تعمیر کی تھی جو اب بھی موجود ہے۔ زمانہ طالبِ علمی میں راقم الحروف نے جب حضرت عارف کی معیت میں اس مقام کی زیارت کی تھی تو اس چوکھنڈی میں حسبِ ذیل قطعات خوشخط لکھے ہوئے پائے تھے

یک آں غارست کاں سالارِ ابرار | ز مکہ کرد ہجرت شد در آں غار
یک ایں غارست کا نقشِ پیرِ شاہے | ز دنیا کرد ہجرت شد در ایں غار

ہست ایں غار ہمچو غارِ ثور | شد بجائے کہ احمد مختارؐ
وصفِ او آمدست در قرآں | ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

ہر کس کہ ز تقید جہاں آزاد ست ہر حال بو ا رستگی غم شاد است
ایں جا چو بیا ید او بگوید لا ریب کیں چلہ گہ صاحب ارشاد است

گزشتہ سال مکرر زیارت کا موقع ملا تو دیکھا کہ عمارت میں شگاف پڑ گئے ہیں اور قطعات صدر بھی مٹ چکے ہیں کاش محکمۂ آثارِ قدیمہ اس جانب توجہ کرے۔

اس عجالہ میں اس کی گنجایش کہاں کہ آپ کے تفصیلی حالات تحریر کئے جائیں اس لئے جستہ جستہ واقعات کی جانب اشارے کرتے ہوئے گزر رہا ہوں۔ صاحب لطیف اللطائف حضرت کے احوال میں رقم پذیر ہیں کہ ۔

"جناب محی الدین ثانی در کسب علوم ظاہر و معنوی و در اشغال باطنی و ریاضات شاقہ و مجاہدہ از بدو شعور طالب و راغب بودند کہ اکثر نعمات ایں راہ را از پدر بزرگوار یافتہ بودند و در ترک تجرید نظر نداشتند۔ اکثر اوقات مغلوب الحال بودند و گاہے بہ افاقہ می آمدند یعنے عالم استغراق بدرجہ داشتند کہ یک ہفتہ بہ یک جلسہ بودہ باز بہ غلبۂ حال مستغرق می شدند"
اس استغراق کی کچھ کیفیت حضرت سید عبد اللطیف ثانی ابن حضرت سید موسیٰ قادری بیجاپوری کے احوال میں گزر چکی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ناظم بلدہ رستم دل خاں کے توسط سے سلطان ابو الحسن نے ملاقات کی اجازت چاہی تو حضرت نے نامنظور فرمادی۔ سلطان نے کئی دفعہ حضرت کے مقام ریاضت کی جانب بحیلہ شکار نکل کر ملنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ناکامی ہوئی اس لئے کہ حضرت اس کے وہاں پہونچنے تک مقام تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔ شہنشاہِ ہند عالمگیر کی درخواست بھی اسی طرح رد ہوگئی جس طرح آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید شاہ طاہر قادری نے رد فرمائی تھی۔ ۱۴ رجب ۱۱۰۵ھ کو جب آپ کا وصال ہوا اس وقت اتفاق سے عالمگیر حیدرآباد میں موجود تھے۔ انھوں نے حکم دیا کہ حضرت کی تدفین صحن بادشاہی عاشور خانہ میں کی جائے اور نمازِ جنازہ کے لیے میت جامع مسجد لائی جائے اور وہ خود بھی شرکت کریں گے۔ بہ تعمیل حکم صحن بادشاہی عاشور خانہ

ہیں مزار کے لئے زمین کھودی گئی تو ایک بڑی چٹان نکل آئی دوسرے مقام پر کوشش کی گئی وہاں بھی چٹان نکلی جب کئی جگہ یہی صورت پیش آئی تو شہنشاہِ ہند کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا کیا جائے۔ اس عرضداشت پر انھوں نے بالفاظ دیگر اپنا حکم سابق منسوخ کر دیا کہ ”جائے کہ حضرت ایشاں رحلت نمودہ اند ہمو بجا مدفون نمایند کہ مرضیٔ بزرگوار دراں جا ست“ سبحان اللہ کیا شان استغنا ہے کہ کسی کا احسان بعد وفات بھی لینا گوارا نہیں اور کس درجہ کی طہارت ہے کہ اپنی نعش پر تک دنیا کا سایہ پڑنے نہ دیا۔ الحاصل حضرت کے جائے قیام پر ہی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت رمزالٰہیؒ فرماتے ہیں کہ ”از مدت سہ چہار سال گاہ گاہے آستاں بوس روضہ حضرت محی الدین ثانی شدم و بحضور فائض النور دیدہ را منور ساختم ہر وقت کہ اتفاق بہ تحیۃ نماز کہ الانبیاء یصلون فی قبورھم واقع است آستین جبہ بالا زدہ دیدم وگاہ در عین نماز دیدم کہ الذین ھم علیٰ صلواتہم دایمون آمدہ“

حضرت کی تاریخ وصال ”عارف کامل محبوب خدا“ کسی نے خوب کہی ہے۔ باب الداخلہ پر ”خوابگاہ عاشق“ کندہ ہے اور یہ بھی تاریخ خوب ہے۔

گزر چکا ہے کہ آپ نے اپنے پوتے سید درویش محی الدینؒ کی مثل فرزند پرورش فرمائی۔ چنانچہ علوم ظاہری و باطنی کے علاوہ بیعت سے بھی ان کو سرفراز کیا البتہ خلافت کے متعلق ارشاد ہوا کہ اپنے چچا حضرت سید عبداللطیفؒ سے حاصل کریں۔ بہرحال اپنے جدِ امجد کی آغوش تربیت اور فیضِ صحبت کی تاثیر کی ایک مثال مولانا روم نے حسبِ ذیل دی ہے۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے — رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دل آویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم — ولے یک مدتے با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

سچ ہے۔ الصحبۃ یوثر ولو بساعۃ ؎ صحبت صالح ترا صالح کند۔ صحبت طالح ترا طالح کند۔

اخبار الاخیار میں مرقوم ہے کہ "امیران ملکِ دکن اکثر مریدانِ حضرت ایشاں بودند و نظام الملک آصفجاہ بادب تمام ملاقات ایشاں کردند" لیکن اس کے باوصف صاحب لطایف قادریہ کی شہادت سُنئے۔ لکھتے ہیں کہ

"حضرت ایشاں باوجود اخراجات کثیرہ وجہ تعین از کسے قبول نمی فرمودند۔ گزر آں بر توکلِ محض کرد۔" اور اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی انھوں نے تحریر کیا ہے کہ قاضی میر خلیل اللہ خاں ابن قاضی بابا مرحوم نے جنھیں آپ سے کمال عقیدت تھی اٹاپور جاگیر کی سند جس کا محاصل بارہ ہزار روپیہ تھا آصفجاہ کی مُہرِ خاص سے عریضہ کے ساتھ خدمت میں روانہ کیا۔ اس وقت آپ قصبہ بسنت نگر میں تشریف رکھتے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اپنے بڑے صاحبزادے کو طلب کر کے ارشاد فرمایا "غلام محی الدین در جواب میر خلیل خاں بنویسد کہ فقیر شمارا از مخلصانِ خود تصوّر می کرد۔ الحال از مفسدانِ خود داند۔ اگر فقیر ایں را قبول کند تا حیاتِ ہمراں بفراغت باشد و بعد از من اولاد من بہ طمع دُنیا بایکدیگر بجہت ترکہ مخاصمت خواہند کرد و چوں جاگیر مسطور ضبط گردد بنا برا جرائے آں اولاد من در بدر بخانہ منصدیاں بایدمی گردند ازیں چہ فساد دیگر ظاہر باشد۔ فقیر را وجہ تعین زیبا نہ باید اگر شما محبت ازیں فقیر ست بار دگر چنیں حرکت نہ کنند" اور پھر اس سند کو چاک کر کے اس کے پُرزے اسی لفافہ میں بند کر کے واپس فرما دیا۔ ؏

؏ بعد میں حضرت سید غلام قاسم قادری فرزند حضرت سید موسیٰ صاحب قادریؒ نے حاکم وقت کے اصرار پر جاگیر کی سند قبول فرما لی جو واقعات اس کے بعد ظہور پذیر ہوئے ان سے حضرت کی متذکرہ صدر پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی۔ وراثت کی نزاع بھی پیش آئی جاگیر بھی ضبط ہوئی اور بالآخر فیصلہ بھی خلاف ہوا حضرت عارف نے جاگیر سے سبکدوشی کا شکریہ حضرت آصف سابع کی خدمت میں حسب ذیل پیش کیا تھا

حمدتُ اللہ عزّ و جلّ لمّا | قضی لی بالخلاص عن البلاءِ
و للسلطانِ آصفجاہ اشکر | و ادعوا فوق معتاد الدعاءِ

مطلب: خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایک بلا سے نجات دی۔ اور آصف جاہ کا بھی شکر گزار اور ان کے لئے دست بدعا ہوں۔

صاحب مشکوٰۃ النبوۃ تحریر فرماتے ہیں کہ "علمائے از فیض عام حضرت ایشاں بہ مرتبہ ہدایت رسیدند۔ تامدت سی و چہار سال در تعلیم مریدین اشتغال داشتند۔ اکثر خلفائے آنحضرت صاحب کمال شدند مثل عارف خدا نماو شاہ توکل وغیرہ و چنداں رموز حقایق را آشکارا کردند کہ کسے در اولاد جناب عالی لا اُبالی نہ کردہ باشد و در خدمت حضرت ایشاں امرائے عظام را خلوص و اعتقاد تمام بود۔ اکثر اہل دول مرید بودند مثل خان عالم کلاں وامین خان اعتشام جنگ وغیرہ کو ارادت کاملہ بہ حضرت ایشاں داشتند۔"

شعر و سخن سے بھی آپ کو دلچسپی تھی۔ بطور نمونہ اشعارِ ذیل پیش ہیں ؎

ذاتِ اُو را از صفات او حجابے ہست نیست
کائنات از مہر غیبش ہیچ تابے ہست نیست

آنچہ عالم نام دارد و آنچہ آدم خوانیش
بر سرِ دریائے ہستی جز حبابے ہست نیست

جملہ عالم توئی و بس حجابے کیستم
مطلع حُسنش ہویدا شد نقابے کیستم

ذاتِ حق چوں موجزن گشتہ بہ دریائے محیط
بر سرِ امواج کثرت ایں حبابے کیستم

رحلت سے تین سال قبل اس مقام کی جہاں اب مزار ہے مٹی ہاتھ میں لے کر فرمایا "دوستو انسان کا خمیر اس مٹی سے ہوا ہے" جب مدفون ہوئے یعنے قبر میں اُتارا گیا تو عبداللہ خاں سے روایت ہے جو آپ کے مُریدِ خاص تھے کہ حضرت محی الدین پاشاؒ نے حسب معمول چاہا کہ آپ کے چہرے کو رُو بہ قبلہ کریں اور اس غرض کے لئے کفن کا کسی قدر حصہ کھولا معاً آپ نے خود اپنا مُنہ قبلہ کی جانب پھیر لیا اور چہرے سے نقاب اُلٹ دی۔ خان مذکور زانو پر ہاتھ مار کر پکار اُٹھے کہ حضرت زندہ ہیں اور بیدار ہو رہے ہیں اس طرح جب انھوں نے شور و غل برپا کر دیا تو حضرت نے انگشتِ شہادت دہنِ مبارک پر رکھ کر بآواز بلند فرمایا کہ "خاموش" خاں صاحب کے جسم میں لرزہ شروع ہو گیا اور جو جو حاضر تھے ان پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا۔

صاحب مشکوٰۃ النبوۃ نے تاریخ وصال ۲۴ ذی حجہ ۱۱۵۰ھ تحریر کی ہے

مزار کاروان کے قریب واقع ہے۔ع

حضرت کے دوسرے صاحبزادے حضرت سیّد محی الدین محمّد عرف قادر بادشاہ صاحب فخر دودمانِ خاندان موسوی حضرت سید موسیٰ قادری کے پدر بزرگوار ہیں۔ آپ اپنے جدِ اعلیٰ حضرت پیرِ شہ محی الدین ثانی کے قدم بہ قدم اور ولی مادر زاد تھے ہمیشہ دایم الوضو رہتے۔ اکثر نماز عشا کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے۔ اشراق تک اس مقام پر جہاں آپ کی مزار واقع ہے تشریف رکھتے اور اوراد وظایف میں مشغول رہتے۔ تمام عمر میں کوئی نماز قضا نہیں کی۔ سترہ سال کی عمر میں والد ماجد نے بیعت و خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا۔ مزاج میں کمال حلم و تواضع و حجاب تھا کسی نے کبھی آپ کا سینہ عُریاں نہ دیکھا کبھی کبھی فکرِ سخن بھی فرماتے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

درجہاں ہر طرف بہار خوش است   فکر ہر کس بہ کاروبار خوش است
بہر تسخیر عالمِ دلہا   دعوتِ عجز و انکسار خوش است

ع بطن حضرتہ سلطان صاحبہ بنتِ فرید صاحب بخاری سے آپ کو تین صاحبزادے ہوئے۔ (۱) سیّد محی الدین احمد (۲) سیّد محی الدین محمّد (۳) سیّد عبداللطیف اور یہ تینوں مقتدائے وقت ہوئے۔ سلطان صاحبہ کا ۱۶ ذی قعدہ ۱۱۵۶ھ کو انتقال ہوا۔ ان کی مزار حضرت کے مزار کے بازو واقع ہے۔ صاحبنی صاحبہ بنت قاضی خلیل خاں صاحب (جو اپنے زمانے کے بڑے عالم اور یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے اور جن کا انتقال ۲۲ رجب ۱۱۵۶ھ کو ہوا اور جن کے نام سے محلہ قاضی پورہ موسوم ہے جس میں یہ راقم الحروف سکونت پذیر ہے) حضرت سید محی الدین محمّدؒ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے دو فرزند پیدا ہوئے (۱) سید موسیٰ قادریؒ (۲) سید غلام محی الدین قادری عرف دستگیر صاحب۔
صاحبنی صاحبہ کا انتقال ۲۵ شعبان ۱۱۶۰ھ کو ہوا۔ مزار اپنے شوہر کے اجداد کے روضہ میں واقع ہے۔
بادشاہ بی صاحبہ بنت قطب منور خاں حضرت سیّد محی الدین محمّدؒ کے حبالۂ عقد میں آئیں اور ان کا انتقال ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۸۱ھ کو ہوا۔ مزار خسر بزرگوار کی مزار کے متصل واقع ہے۔
حضرت سیّد غلام محی الدین قادری عرف دستگیر صاحب کا انتقال ۱۱ جمادی الاول ۱۱۸۷ھ کو ہوا۔ مرقد پدر بزرگوار کی مزار کے پائین واقع ہے۔ (ماخوذ از شجرۂ مولوی سیّد ظہیر الدین صاحب سجادہ۔ آدونی)

بہ رہ فقر گو تواں رفتن — قدم صبر و استوار خوش است

گرچہ نزدیک عارفاں ہمہ اوست — لیک کثرت باعتبار خوش است

ہمدریں عمر جانِ عاشق را — عیش و راحت بہ ذکر یار خوش است

خودی از خود بروں کن تا خدا پیدا شود آرے — یقیں ہر ظرف خالی را صدا پیدا شود آرے

غبارِ نفس بر دل ہیچو ایں ہم زنگئی دارد — بہ ذکر و فکر صیقل کن صفا پیدا شود آرے

خیال غیر از غیرت بہ بزم دل بسے دور است — ز دید چشم نامحرم حیا پیدا شود آرے

بہ فکر بیش و کم ہرگز نمی افتند درویشاں — توکل بر خدا کردن غنا پیدا شود آرے

جمالِ حُسن مطلق را حجابے کے روا باشد — ولے صد پردہ از او تا بما پیدا شود آرے

لطافت موجب فیضِ فتوح باب دل آید — کشود غنچہ از باد صبا پیدا شود آرے

دمے دریاب نقد دیں دریں بازار اے مسکیں — متاع نیک را نیکو بہا پیدا شود آرے

مرض الموت کے ایک روز قبل حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا "اس فقیر کے حیات مستعار کے دس روز باقی رہ گئے ہیں چنانچہ دس روز کے بعد ۱۱ ہر ذی حجہ ۱۱۷۰ھ کو سبحان اللہ بحمدہ کے تکرار ثانی پر اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرمادی۔ مزار حضرت پیر شہ محی الدین ثانیؒ کی مزار کے جانبِ شرق واقع ہے۔ اپنے وصال کے دو سال قبل اپنے صاحبزادے سید موسیٰ قادری کو جبکہ ان کی عمر صرف ۱۴ سال تھی بیعت سے سرفراز فرمایا وصال سے ۱۵ روز قبل حسبِ معمول قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ رسّی پر جو جُبّہ لٹک رہا ہے لے آؤ جب صاحبزادے لے آئے تو اس کو پہننے کے لئے حُکم دیا اور جب پہن لیا تو فرمایا مُبارک۔ یہ واقعہ ۲۱ ہر ذی حجہ ۱۱۷۰ھ کا ہے جبکہ صاحبزادے کی عمر ۱۹ سال تھی۔

اپنے والدِ ماجد کی مانند صاحبزادے بھی ولی مادرزاد تھے۔ صاحب مشکوٰۃ النبوۃ آپ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ "قدوۂ ارباب زمن در آداب طریقت و سخاوت و توکل و قناعت

وصدق وصفا و بے ریائی و خُلق و بے پروائی و استغنا وحید و فرید زمانہ بودند کہ نظیر نہ

ولادت کے بعد والدِ بزرگوار نے آپ کو اپنی ہمشیرہ کی فرزندیت میں دے دیا

جو مستعد پورہ میں رہتی تھیں۔ ایامِ طفلی میں اپنا پاؤں کبھی مشرق کی جانب اس خیال

نہیں کیا کہ اس طرف پدرِ بزرگوار کا دولتخانہ واقع ہے اسی طرح عہدِ طفلی سے سعادت

حصہ میں آئی تھی بمصداق ؎ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نمازِ خمسہ کے علاوہ نمازِ عشا، کے بعد سے تہجد تک نوافل و مستحبات میں مصروف رہتے

دن تمام تلاوتِ قرآن میں مشغولیت رہتی نشست برخواست اور کھاتے پیتے اد

حصن حصین پڑھا کرتے۔ بذل و سخا کا یہ عالم تھا کہ کسی سایل کو کبھی اپنے دروازے

ہاتھ واپس نہ کیا جو کچھ گھر میں رہتا اپنے اہل وعیال کے لئے نصف رکھ چھوڑتے اور با

درویشوں میں تقسیم کر دیتے اگر گھر میں کچھ نہ ہوتا تو پیالہ میں ٹھنڈا پانی لے کر سائل کے سا

پیش کر دیتے اگر ہاتھ سے کوئی چیز نیچے گر جاتی تو اسے اٹھا کر درویش کے حوالے نہ کر

فرماتے کہ ہم دراصل خدا کو نذر دیتے ہیں لہذا آدابِ نذر سے بعید ہے کہ گری ہوئی چیز

دی جائے یا خراب چیز پیش کی جائے۔ اکثر مستی و بے خودی کے عالم میں ہوتے۔ ایک

غلبۂ حال میں بامتثال امرِ الٰہی وَ اَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ یہ اعلان فرمایا کہ

"آنچہ بما دادہ اندکم کسے را دادہ باشند و کسے بمقام ما نرسد و نہ شناسد کہ کج

ایم" حضور غوثِ پاکؓ نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اَنْتُمْ بَیْنَ یَدَیَّ کالقوار

لوگ میرے سامنے شیشے کی مانند ہو یعنے جس طرح شیشے کے اندر کی چیز صاف نظر آجاتی ہے

طرح تمھارے دلوں کا حال مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس صفت سے آپ کے اس صاحب

کو بھی وافر حصہ ملا تھا۔ کسی کے قلب پر کوئی خطرہ گزرتا تو قلبِ صافی پر فوراً اس کا انعکاس

ہو جاتا۔ سایل کے سوال کرنے کے قبل اس کا جواب دے دیتے مشتے نمونہ از خروارے

واقعات پیش ہیں ؎

ایک دفعہ نواب سردار الملک عرف گھانسی میاں نے جن کے نام سے جا زارِ گھانسی موسوم ہے بہ شکل نقد دوسو روپیہ بطور نذر روانہ کئے۔ صاحبزادے نے پانچ روپیہ آستین میں رکھ کر باقی رقم نذر گزرانی اس لئے کہ حضرت کبھی کہیں سے نقد رقم بطور نذر آجائے تو شمار نہیں فرماتے تھے۔ صاحبزادے سے دریافت فرمایا کہ کس قدر رقم ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ سردار الملک نے دوسو روپیہ روانہ کئے ہیں۔ فرمایا ہمارے سامنے شمار کرو صاحبزادے پسینہ پسینہ ہو گئے اور بالآخر پدر بزرگوار کی نظر بچا کر پانچ روپیہ شامل کر کے شمار کرنے لگے۔ فرمایا اب شمار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

عمر خاں قایم خانی مجلس عاشورہ میں حضرت کے پس پُشت دوسری صف میں بیٹھے تھے۔ شربت تقسیم ہو رہا تھا۔ ان کے دل میں خیال گزرا کہ سب انہی کُلیوں سے پی رہے ہیں میری جب نوبت آئے گی تو میں انکار کر دوں گا۔ معاً حضرت ان کی جانب متوجہ ہو کر فرمانے لگے خاں برادر حدیث میں سُورالمومن شفاءٌ ہے اور پھر یہ سید الشہداء کی فاتحہ کا تبرک ہے بلا کسی خیال کے پی جاؤ۔ خاں صاحب کے بدن میں رعشہ پیدا ہو گیا اور تعمیلِ حُکم میں شربت نوش کر لیا۔

حضرت کے مطبخ میں جو کچھ پکتا گھر والے بھی وہی کھاتے اور باہر حاضرین کو بھی وہی سربراہ کیا جاتا ایک دن باہر خاں صاحب مذکور حاضر تھے ان کے پاس روٹی اور حلوہ بھیجا گیا تو انھیں خیال گزرا کہ آج خلافِ معمول مطبخ سے کھانا نہیں آیا شاید حضرت کے بغیر علم واطلاع روٹی اور حلوہ بھیجا گیا ہے چونکہ بھوک لگ رہی تھی کھا لیا مگر بدگمانی بدستور رہی حسبِ معمول بین العصر والمغرب حضرت جب باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ خاں برادر آج ہمارے گھر میں

کوئی چیز موجود نہ تھی کہیں سے نان وحلوہ آگیا تھا ہم نے بھی کھایا اور آپ کے پاس بھی بھیج دیا

خاں صاحب مذکور کا بیان ہے کہ بدوِ شعور سے ان کی تمنّا تھی کہ خاندانِ قادریہ عالیہ میں بیعت کریں اسی دُھن میں وہ اپنے وطن سے قمر نگر (کرنول) گئے وہاں کے بزرگوں سے ملاقات کی اور بالآخر روضہ سید الابدال میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت فرزند صحیح النسب حضرت غوث الثقلین مجھے حضور ہی رہبری فرمائیں۔ اسی شب میں حضرت سید الابدال سے عالم رویاء میں مشرف ہوئے ارشاد ہوا کہ حیدرآباد میں تمھارے مرشد سید موسیٰ قادری ہیں وہاں جاؤ اور بیعت کرو اور ان کی شکل و شمایل بھی باریک پردہ میں سے بتادی۔ خاں صاحب حیدرآباد آئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ارشاد ہوا کہ تم اسی روز سے داخل سلسلہ ہو چکے ہو جب سے کہ تم کو ارادت پیدا ہوئی ہاں رسم ظاہری باقی ہے تو فقیر اس کے لئے حاضر ہے چنانچہ بیعت سے سرفراز فرمایا۔

حکیم صادق حسین حضرت سیّد شاہ طاہر قادری عرف پیر صاحب قبلہ کے مُرید خاص تھے جب وہ کرنول سے حیدرآباد رخصت ہونے کے لئے اپنے پیر سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو فرمایا آئندہ ہماری تم سے ملاقات نہ ہو سکے گی حیدرآباد میں سید موسیٰ قادری ہماری برادری سے ہیں انھیں ہماری جگہ تصوّر کرنا اور ان کی خدمت میں حاضر رہنا چنانچہ یہاں آنے کے دوسرے دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت کی عادت بین العصر و المغرب باہر نکلنے کی تھی لیکن انھوں نے جرٔت کر کے خادمہ کے ذریعہ اندر اطلاع کروائی کہ کرنول سے ایک صاحب بغرض پابوسی حاضر ہوئے ہیں حضرت فوراً باہر تشریف لائے اور ان کی پیٹھ پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا "حکیم صاحب خیریت سے تو ہیں" اور پھر اخفائے حال کے لئے فرمایا کہ فلاں حکیم صاحب آپ کے بالکل مشابہہ ہیں اس لئے میں نے آپ کو اس طرح

مخاطب کیا کوئی اور خیال نہ کرنا۔ صادق حسین صاحب نے کہا کہ حضور روشن ضمیر ہیں اور جو کچھ ارشاد ہوا عین حقیقت ہے غلام حکمت پیشہ ہے۔

ایک روز عبدالنبی عرف بنّو صاحب جوہری نے ایک مینی کی انگوٹھی نذر گزرانی۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے سید غلام حسین عرف حسینی پاشا اس وقت حاضر تھے ان کے دل میں خیال گزرا کہ یہ انگوٹھی حضرت مجھے عنایت فرمائیں تو ٹھیک رہے گا۔ معاً حضرت نے فرمایا "بابا غلام حسین یہ انگوٹھی میرے لئے لائی گئی ہے چند روز پہننے کے بعد تم ہی کو دے دوں گا۔ چنانچہ دو چار روز پہننے کے بعد آپ نے صاحبزادے کو یہ انگوٹھی عنایت فرما دی۔

خاں زادی بی والدہ فضل علی خاں سے مروی ہے کہ ایک روز ان کے گھر کے سب لوگ کسی شادی کی تقریب میں گئے ہوئے تھے گھر میں ان کے سوائے اور کوئی نہ تھا انھیں پانی اور پان کی طلب ہوئی لانے والا کوئی نہ تھا ان کا مکان حضرت کے زیرِ سایہ دیوار تھا معاً حضرت کا خیال آیا کہ حضرت روشن ضمیر ہیں اگر پان اور پانی سرفراز فرمادیں تو میں سمجھوں گی کہ حضرت صاحب تصرّف بھی ہیں۔ کچھ دیر نہ گزری کہ حضرت نے اپنے صاحبزادے کے ذریعہ پانی ایک صراحی اور کچھ پان مع مصالحہ ان کے پاس روانہ فرمایا۔

انھی سے روایت ہے کہ ایک روز یہ خیال گزرا کہ حضرت آج ناریل مع مصری سرفراز فرمائیں تو حضرت کے کمال تصرّف کی دلیل سمجھوں گی۔ معاً حضرت اپنی جگہ سے اُٹھے طاقچہ سے کشتی چوبیں جس میں ناریل اور سفید شکر بھی نکال کر دروازے پر جو درویش حاضر تھا اس کے پاس روانہ کر دیا اور خان زادی بی کے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "مصری حاضر نہیں ہے ناریل شکر کے ساتھ کھانا چاہتے ہو تو حاضر ہے۔"

حضرت سید محمد مدنیؒ فرماتے ہیں چند روز کے لئے حضرت کے زیرِ سایۂ عاطفت سکونت کا مجھے موقع ملا تھا۔ ایک روز آدھی رات کے وقت حقہ کی طلب ہوئی لیکن نہ تمباکو تھا نہ آگ حضرت کا خیال آیا کہ آپ روشن ضمیری کیا عجب ہے کہ کوئی انتظام فرما دیں تھوڑی دیر نہ گزری تھی ایک کنیز محل سرا کا دروازہ کھول کر نکلی اور تمباکو اور آگ لا کر سامنے رکھ کر کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ تمباکو ہم کو اچھا معلوم ہوا اس لئے ہم نے تمھارے لئے بھی بھیجا ہے نوش کر کے دیکھو۔

نبو صاحب جوہری کا ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ سفر تجارت پر روانگی سے قبل حضرت سے رخصت ہونے کے لئے حاضر ہوئے سفر دریا کا تھا خیال ہوا کہ مکرّر ملاقات کا موقع ملے گا یا نہیں اس لئے فرطِ شوق میں حضرت کا طواف کرنا شروع کیا اور رخصت ہوئے۔ اثنائے سفر میں کشتی کو بادِ مخالف کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ سب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ یہ حضرت کی جانب رجوع ہوئے۔ معًا کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت سطحِ آب پر کھڑے ہوئے ہیں۔ فرطِ مسرت میں یہ پکار اُٹھے کہ دوستو خاطر جمع رہو حضرت تشریف لا چکے ہیں انشاء اللہ ہم کشتی سے صحیح و سلامت اُتریں گے چنانچہ ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ بادِ موافق چلنے لگی اور سب ساحلِ مراد پر صحیح و سلامتی سے اُتر گئے

اسی قسم کا واقعہ شیخ اسمٰعیل عرف جکّو بھائی کو پیش آیا۔ یہ فوج میں ملازم تھے جنگ کے لئے جانے کے جب احکام ملے تو رخصت ہونے آئے۔ حضرت کا طواف کرنے لگے اور عرض کیا کہ غلام نظام الدولہ کے لشکر کے ساتھ جا رہا ہے معلوم نہیں حضور کی ملاقات پھر نصیب ہوگی یا نہیں فرمایا تم سے تو کئی بار ہماری ملاقات ہوگی انھوں نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ تائیدِ غیبی شاملِ حال رہے اور سرخرو واپس آؤں۔ ارشاد ہوا ہماری طرف دھیان رکھنا اور ہمیشہ ہم کو حاضر و ناظر سمجھنا۔ بہر حال یہ رخصت ہوئے

گھمسان کا رن پڑا ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور ہر سمت ننگی تلواریں نظر آ رہی تھیں۔ یہ اپنے ساتھیوں سے چھوٹ کر میدانِ جنگ میں یکہ و تنہا رہ گئے معاً حضرت کی جانب رجوع ہوئے دیکھا کہ آپ ان کے سر پر سایہ گستر ہیں جب پچھلی جانب دیکھا تو اس سمت بھی حضرت کو پُشت پناہ پایا اس کے بعد بس آنکھ بند کر کے کارزار میں گھس پڑے اور پھر انھیں خبر نہ ہوئی کہ کس طرح وہ صحیح و سلامت اس معرکہ سے باہر آئے۔

نواب سردار الملک عرف گھانسی میاں کو حضرت سے کمال عقیدت تھی لیکن بیعت کی اس لئے جُرأت نہ کرتے تھے کہ ترکِ مُسکّرات کی خود میں قدرت نہ پاتے تھے ایک دفعہ خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ کیا ہمارے سامنے بھی تم شغل کروگے عرض کیا کہ خادم سے ایسی جُرأت کیسے ہو سکتی ہے فرمایا تو بس اس شرط پر بیعت قبول ہے کہ ہمارے سامنے شغل نہ کرنا چنانچہ انھوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔ گھر پہونچے تو حسبِ معمول جام مے طلب کیا ہاتھ میں لے کر نوش کرنا چاہتے تھے کہ سامنے حضرت کھڑے ہوئے نظر آئے۔ یہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور حجرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ لگا کر شغل کرنا چاہا دیکھا تو وہاں بھی حضرت موجود ہیں فوراً اپنے ہاتھ سے جام پٹک دیا الحاصل ایک ہی دن میں انھیں توبۂ نصوح حاصل ہو گئی۔

اس قسم کے کئی واقعات آپ کی سوانح میں ملتے ہیں جنھیں بخوف طوالت چھوڑ رہا ہوں البتہ ایک دو واقعات آپ کے علم لدنی کے تعلق سے پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ تصویر کا کوئی رُخ غیر مکمل نہ رہے۔

ایک روز آپ کی خدمت میں ایک صوفی منش بزرگ آئے اور آپ سے دریافت کیا کہ نبوّت اور ولایت میں کیا فرق ہے فرمایا "عزیز من یہ فقیر اُمّی جاہل اور بے علم ہے ہاں

اہل اللہ سے یہ سُنا ہے کہ نبوّت کا رُخ خلق کی جانب ہوتا ہے اور ولایت کا حق کی جانب ۔ نبی داعی خلق الی الحق ہوتا ہے اور ولی مستغرق بحق ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ الولایۃ افضل من النبوّۃ ۔ ولی شہود ذات حق میں محو اور رجوع بحق ہوتا ہے اور نبی کو خلق کی دعوت اور ہدایت کے لئے بھیجا جاتا ہے ۔ اس جواب سے صوفی صاحب وجد کرنے لگے ۔

ایک روز مطیع الاسلام نامی ایک بُزرگ جنھیں علمِ تصوّف کا چسکا اور اکثر صوفیائے ظاہر کی صحبت کا موقع ملا تھا حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ آج ایک بیت سُننے میں آئی ہے جس سے سُکونِ قلب غائب ہے ۔ حضرت اس کی شرح فرمائیں تو شاید تسکینِ خاطر ہو ۔ فرمایا سُناؤ کونسی بیت ہے ۔ مطیع الاسلام نے حسبِ ذیل بیت سُنائی ؎

خُدا لک است محمدؐ ہزار آدم یک بیا بہ مشربِ صوفی اگر نداری شک

فرمایا " فقیر اُمّی و جاہل ہے بُزرگانِ وقت سے دریافت کرو " مطیع الاسلام نے حضرت کے قدم پکڑ لئے اور اصرار کرنے لگے کہ حضرت اس کی تشریح کریں ۔ فرمایا عارفانِ سلف سے مستفاد ہے کہ یہ بیت توحید الہٰی اور نعتِ رسالت پناہی میں ہے اور یہ رندانِ صوفیا کا ایک معمّہ ہے ۔ " لک " کو پلٹنے سے " کُل " ہو جاتا ہے ۔ معنے یہ ہوئے کہ خُدا کُل ہے (ھُوالکُل) یعنے جو کچھ ہے اسی کا ظہور ہے (ہمہ اُوست) اور " محمدؐ ہزار " نعت رسالت پناہی ہے ۔ لفظ " ہزار " پلٹنے سے " رازہ " ہو جاتا ہے مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ خدا کے رازدار ہیں اور " آدم یک " پلٹنے سے " آدم کے " بمعنے " کجا " ہو جاتا ہے ۔ حاصل مصرع یہ ہوا کہ " دراں وقت کہ حضرت حق سُبحانہ تعالیٰ تجلّی خود برخود داشت و حقیقتِ محمدی را درضمن خود دید ظہور کمال اسما ، نبود کہ آدم را گنجایش بود یعنے احدیت مطلقہ در ہمہ ساری ست و وحدت از زنگ تعین عاری پس واحدیت بہ کے شماری " مطیع الاسلام

نے یہ جواب سن کر اپنا سر ارادت حضرت کے قدموں پر رکھ دیا۔

کبھی کبھی غلبۂ حال میں آپ اشعار بھی فرماتے۔ افاقہ کے بعد ان اشعار کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوتے یا پھر فرماتے کہ "نظم فقیر وضع دیوانگی دارد کہ قافیہ نہ ردیف" آپ کے فرزند اکبر و جانشین حضرت سید غلام علی شاہ صاحبؒ نے آپ کا کلام "دیوان موسوی" کی شکل میں مرتب کیا ہے جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ نمونہ کے طور پر چند اشعار پیش ہیں فرماتے ہیں ؎

الغیاث اے شمس رخشاں الغیاث — الغیاث اے ماہِ تاباں الغیاث
حال من با تو ہویدا است ہمہ — اے علیم رازِ پنہاں الغیاث
شد دل من تشنۂ دیدارِ تو — در لبانت آب حیواں الغیاث
من غلامانِ ویم موسیٰ لقب — بے کساں را اوست درماں الغیاث

نے بہر دل ہمچو او از نورِ یکتائی بود — ہر صدف کے قابل لولوئے لالائی بود
گرچہ من خورشید تابانم ہویدا لیس عیاں — لیک دیدن کار بینا چشم بینائی بود
آں کسے باشد کہ خود را از خودی بیروں کند — تن بسوزد عشق چوں پروانہ شیدائی بود
جز عیونِ دل گداز آں شمع را دیدن چہ سود — سوزِ عشق موسوی با ساز مولائی بود

یارب مرا تو در طمع سیم و زر مکن — بہر تلاش نان مرا در بدر مکن
دارم جناب موسئے شاہ علی رضا — لوح نصیبِ صاف مرا ید گہر مکن

حیدر آباد کے اکثر اعیان و اُمرائے دولت کو حضرت سے کمال عقیدت تھی اور رئیسِ وقت آصفجاہ ثانی بھی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے جب کبھی آپ کا ذکر آتا تو اپنے مصاحبین سے کہتے کہ "ہمہ بزرگان معاش دارند الا درویشِ متوکل سید شاہ موسیٰ قادری ست۔ وجودش باعث آبادی بلدہ و امن ملک از قدوم ایشان ست" ایک روز حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ آئندہ ماہ میں میری لڑکی کی شادی ہے بر وقت حضرت کو تشریف آوری کی

زحمت دوں گا فرمایا اگرچہ بئس الفقیر علے باب الامیر آیا ہے لیکن آپ کے خلوص کی بنا پر اور اس لئے بھی کہ دعوت امر مسنون ہے فقیر شریک ہوگا۔ چنانچہ عقد کے روز تشریف لے گئے۔ آصفجاہ ثانی محل میں تھے خلوتِ مبارک کی حد درجہ آرایش و زیبایش کی گئی تھی اور درمیان میں ان کے لئے مسند لگائی گئی تھی۔ چوبدار نے آکر مسند نکال دی اور عرض کیا کہ سرکار نے پاسِ ادب سے اس کو برخواست کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس عرصہ میں آصفجاہ برآمد ہوئے اور حضرت سے ملاقات کی۔ آپ نے فرمایا" نواب صاحب فقیر بشرط اجازت کچھ کہنا چاہتا ہے" آصف جاہ نے عرض کیا" بسر و چشم" فرمایا آج شادی کا دن ہے مسند منگوائیے۔ آصف جاہ نے معذرت کی فرمایا فقرا کی بات سُننا موجب ترقی دولت ہے بالآخر آصفجاہ نے شمس الامرا کی جانب اشارہ کیا مسند لائی اور بچھائی گئی۔ آصف جاہ نے عرض کیا کہ حضرت بھی اس پر تشریف رکھیں چنانچہ حضرت اس پر قدم رکھ کر واپس ہو گئے اور پاندان و عطردان کا تک انتظار نہ فرمایا آخر ایام میں استغنا اور بے نیازی درجہ کمال کو پہونچ گئی تھی۔ اکثر فرماتے کہ ہم نہیں چاہتے کہ یہ دُنیا دار ہماری جانب رجوع ہوں چنانچہ ان کی دعوت میں بھی تشریف نہ لے جاتے اور صرف غربا اور مساکین کی دعوت قبول فرماتے۔

المختصر اپنے والد ماجد کے بعد وصال ۴۴ سال تک مسند سجادگی پر متمکن رہ کر ایک عالَم کی ہدایت فرمائی اور ربالآخر ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۱۵ھ کو واصل بحق ہوئے۔

شاہ قاسم علی حسینی جو حضرت سید محمد حسینی گیسو درازؒ کی اولاد سے تھے فرماتے ہیں کہ شبِ رحلت میں انھوں نے حضرت خواجہ گیسو درازؒ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں ابھی ابھی خواجہ عبداللہ نے مجھ سے آکر دریافت کیا کہ آپ نے حیدرآباد کی کوئی خبر سُنی ہے فرمایا نہیں عرض کیا کہ آج وہاں کے صدر المشائخین کا انتقال ہوگیا اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے جنازے میں شرکت کے لئے جاؤں میرا کمربند اور دوشالہ لے آؤ حضرت خواجہؒ نے فرمایا

عبد اللہ توقف کرو میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں اس کے بعد شاہ قاسم علی بیدار ہو گئے اسی اثناء میں ایک شخص نے آکر یہ خبر سُنائی کہ حضرت سید موسیٰ قادریؒ کا وصال ہو گیا۔

حضرت کے احوال میں یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جس روز آپ کا وصال ہوا اکثر لوگوں نے بیرونِ شہر سبز پالکی میں سبز لباس پہنے ہوئے تشریف فرما ہیں پالکی تیز تیز جارہی ہے ساتھ کئی درویش ہیں۔ بعض نے دریافت کیا کہ حضور کہاں کا ارادہ ہے فرمایا "فقیر عازم بیت اللہ ہے اور تم سے یہ ہماری آخری ملاقات ہے" بعد میں معلوم ہوا کہ اسی روز حضرت کا وصال ہوا ۔ الموتُ جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب اسی کا نام ہے ؎

چو شد شاہ موسےٰ بہ سوئے بہشت	ز یادِ غمش آسماں توس شد
بفرمود رضواں بتاریخِ اُو	تجلیٰ موسےٰ بفردوس شد

۱۲۱۵ھ

حضرت پیراں صاحب قادریؒ نے آپ کی تاریخ وصال "بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" فرمائی جس سے بہتر اور کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی۔

حضرت نے اپنے فرزندِ اکبر سید شاہ غلام علی قادریؒ کو اپنے وصال سے بہت عرصہ قبل خرقہ خلافت اور بیعت سے سرفراز فرما کر اپنا جانشین بنادیا تھا اور حقیقی معنوں میں یہ اپنے پدرِ بزرگوار کے جانشین تھے۔ خاندانِ موسوی میں وہ اک آفتاب کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی شعاعوں سے سیکڑوں قلوب نے روشنی حاصل کی۔ ہندوستان کے مشہور و معروف شاعر نصیر[۲] دہلوی آپ کی توصیف میں یوں نغمہ طراز ہیں ؎

---

[۱] حضرت حسینی بی صاحبہ بنت شاہ محمد حافظ حسین شاہ علی بن شاہ ابو الحسن حسینی آپ کے حبالہ عقد میں آئی تھیں ان کا انتقال ۱۲ ر جمادی الاول ۱۲۳۱ھ کو ہوا۔ مزار حضرت کے گنبد کے اندر واقع ہے۔

[۲] شاہ نصیر دہلوی حضرت سید موسیٰ قادریؒ کے مُرید خاص تھے۔ مرشد کی خاطر دہلی سے آکر حیدرآباد میں بس گئے تھے دفن بھی احاطہ درگاہ میں ہوئے۔ ادارہ ادبیاتِ اُردو کی جانب سے لوحِ مزار نصب کی گئی ہے۔

حضرتِ شاہ غلام علی پیر و مرشد — ایک ہے عالم معنی میں تمھاری صورت
رُخ وہ ہے اہلِ وظیفہ کہے سبحان اللہ — قد وہ ہے صاحب تکبیر کہے قد قامت
ثُمّ باللہ اگر خلق میں دیکھے تم کو — تو یہ عارف کہے کثرت میں ہے ظاہر حدت
مشک سے دھوئے نہ جب تک کہ زباں اپنی نصیر — کیا دہن ہے جو کرے آپ کی تعریف و صفت

حضرت بادشاہ صاحبؒ آپ سے یوں خطاب کرتے ہیں ؎

اے فردِ بیاضِ مصطفائی — بیتِ دل تو بعد صفائی
حقا کہ ز دیوان موسوی ہم — تو اولِ مصرعہ رُباعی
ذات تو قصیدۂ ہدایت — انفاسِ تو غزل رہنمائی
ہر بیتِ شکستہ ریختہ ام را — تعمیر صلاح . برومائی
شیرازۂ جمعیتم تو باشی — تو مُصلح قال و حال مائی
مقصودِ محیٔ دیں تو ہستی — در دیدۂ من تو روشنائی

آپ ایک زبردست صوفی اور پیر طریقت ہونے کے علاوہ علومِ ظاہری سے بھی آراستہ تھے ۔ چنانچہ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں دُرّ الدّارین فی مناقب غوث الثقلینؓ، مشکوٰۃ النبوت، شرح مثنوی مولانا رومؒ قابلِ ذکر ہیں اوّل الذکر دو تصانیف آپ کے تبحّرِ علمی کا بیّن ثبوت اور آپ کے خامۂ فصاحت نگار کا شاہکار ہیں ۔ سیرتِ حضرت غوثِ پاکؓ میں اب تک صدہا کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کوئی تصنیف آج تک دُرّ الدارین کے معیار کو نہ پہونچ سکی ۔ حضرتِ عارفؒ کے جدِّ امجد حضرت سیّد محمد مرتضیٰ قادریؒ نے اس کو طبع فرما کر تقسیم فرمایا تھا لیکن اب یہ کمیاب ہے ۔ مشکوٰۃ النبوۃ اولیائے عظام کے احوال میں ہے اور ایک انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے ۔ مطالعہ کرنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ اس قدر تفصیلی حالات کس طرح فراہم ہو سکے ۔ ایسی جامع تصنیف راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری ۔ تذکرۃ الاولیا

ہو یا تاریخ اولیائے دکن یا کوئی اور کتاب اس تصنیف کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں اور دوسرا عثمانیہ کالج کرنول کی لائبریری میں محفوظ ہے جس سے سید قطب الدین صاحب قادری نے نقل تیار کی ہے۔ آدونی میں جب میں بحیثیت سب جج کارگزار تھا تو ان کے بھائی سید احمد پاشاہ صاحب قادری نے بغرض مطالعہ مجھے اس کی تینوں جلدیں لاکر دی تھیں جن سے مجھے استفادہ کا موقع ملا۔ متذکرۂ صدر دونوں تصانیف فارسی میں ہیں۔ اگر اردو میں ترجمہ کرکے ان کی اشاعت کی جائے تو عوام بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔ ان تصانیف کے علاوہ حضرتؒ کا فارسی دیوان ہے جو ہنوز قلمی حالت میں ہے۔ جس چوکھنڈی میں آپ کا مزار ہے اس میں وہ اشعار جو مولائے کائناتؓ کی منقبت میں آپ نے عرض کئے ہیں دیوار پر منقش ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں ؎

بلند تر ست ز عرشِ علیٰ مقامِ علیؓ — مثالِ نص و حدیث است ہر کلامِ علیؓ
نبیؐ مدینۂ علم و علیؓ بوَد بابش — بہ شہر کس نہ در آید بجز سلامِ علیؓ
چہ مدح سازمش الحق کہ قدسیان بعرش — زنند کوسِ ولایت ہمہ بنامِ علیؓ
حدیث لحمک لحمی بشانِ وے آمد — علیؓ وصی نبیؐ و نبیؐ امامِ علیؓ
بقولِ مصرعۂ کس وردِ عارف ست ہمیں — علیؓ امام من است و منم غلامِ علیؓ

حضرت سید شاہ افضل بیابانیؒ قاضی ورنگل کے حالات میں ان کی بیعت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ ایک دفعہ جب وہ خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت کو محوِ خواب پایا لیکن قلب مبارک سے ذکر کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر انھوں نے حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ خاندانِ موسوی کا یہ آفتاب ۱۲۵۵ھ میں غروب ہوا۔ "تصوف برفت" مادۂ تاریخ ہے ؎

؎ حضرت قطب النساء بنت سید حسین قادری عرف میراں حسینؒ صاحب جو حضرت سید سراج الدین عبدالجبار ابن حضرت غوث اعظمؓ کی اولاد سے تھے حضرت کے حبالۂ عقد میں آئی تھیں لیکن ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت عارفؒ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید حسین قادریؒ کی اولاد امجاد سے ہیں جن کے صاحبزادے حضرت سید غلام محی الدین قادری پدرِ بزرگوار حضرت سید محمد مرتضیٰ قادریؒ تھے جو حضرت عارفؒ کے جدِّ امجد بھی تھے اور پیرِ طریقت بھی۔ سید معین الدین صاحب جو فوجداری بلدہ کے ممتاز وکیل تھے مجھ سے بیان کرتے تھے کہ "میں نے آپ کے پڑنانا (حضرت سید محمد مرتضیٰ قادریؒ) کو دیکھا ہے۔ حضرت کی عادت تھی کہ "جمعتہ الوداع" مکہ مسجد میں ادا فرماتے اور افطار و نمازِ مغرب کے بعد گھر واپس ہوتے۔ صحنِ مکہ مسجد میں جو منبر ہے اس سے تکیہ لگا کر تشریف رکھتے۔ آپ کے جمالِ جہاں آراء کو دیکھنے کے لئے کثیر مجمع ہو جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ جیسے زمین پر آسمان سے کوئی فرشتہ اُتر آیا ہے۔" حیدر آباد کے بڑے بڑے اُمراء و اعیانِ ریاست حضرت کے ارادتمند تھے حضرت آصف جاہ سادس کو بھی آپ سے کمال عقیدت تھی۔

حضرت عارفؒ فرماتے تھے کہ جس وقت حضرت آصف جاہ سادس نواب میر محبوب علی خانؒ حضرت پیر شاہ محی الدین ثانیؒ کے در اقدس پر حاضر ہوئے مغرب ہو چکی تھی۔ حضرت نمازِ مغرب کے بعد نوافل میں مشغول تھے۔ آپ کے انتظار میں آصفجاہ سادس صحنِ درگاہ میں ٹھیر گئے۔ نوافل کے بعد حضرت اوراد و وظایف میں مصروف ہو گئے۔ میں بار بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور عرض کرتا کہ ظل اللہ آئے ہیں اور آپ کے انتظار میں ہیں۔ حضرت صرف "ہوں" فرماتے اور بدستور وظیفہ جاری رکھتے۔ بہر حال وقتِ مقررہ پر اپنا وظیفہ ختم کر کے حضرت مسجد سے باہر نکلے تو پیشوائی کے لئے آصفجاہ سادس بڑھے اور آداب کرتے ہوئے اپنا سر تعظیماً اتنا جھکا دیا کہ حضرت کے زانو سے لگنے لگا۔ حضرت نے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھ فرمایا "آباد رہو" اور پھر ان کو لے کر روضہ شریف میں حاضر ہوئے۔

ذاتِ رسالت پناہی سے حضرت کو کمال درجہ عشق اور حد درجہ عقیدت تھی جیسا ذیل سے

کے لئے چندے کی اپیل لے کر جب مُلا عبد القیوم مرحوم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ اپنے دولت خانہ سے جس حالت میں تشریف رکھتے تھے اسی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ جو کچھ فقیر کے پاس ہے وہ حاضر ہے اور اپنے گھر کا سارا سامان نذر کردیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید خاں کو ہوئی تو وہ بہت متاثر ہوئے اور آپ کو "شیخ المشایخ افتخار الاکابر والاکارم" کا خطاب دیا۔ چنانچہ یہ فرمانِ شاہی راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔

یہ تو اپنے مال و متاع کو حضور کے نام پر قربان کرنے کا واقعہ تھا کچھ دنوں بعد وہ وقت بھی آگیا جبکہ آپ نے خویش و اقارب، دوست احباب اور گھر بار کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر دیارِ حبیبؐ کی راہ لی۔ مدینۂ منورہ میں اس وقت مسجدِ نبویؐ کی تعمیر و ترمیم ہو رہی تھی اس موقع پر جب یہ پہنچے تو خود بھی مزدوروں کے ساتھ مٹی ڈھونے میں شریک ہو گئے۔ آپ کی سادہ زندگی، زہد و تقویٰ، علم و فضل اور شخصی وجاہت سے اہلِ مدینہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور ۲۷ رجب، ربیع الاول ۱۳۲۷ھ روز دوشنبہ کو آپ کا وصال ہوا تو آپ کو قبۂ اہلِ بیت میں دفن کیا گیا۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء ؎

آخر گِل اپنی خاکِ درِ میکدہ بنی
پہونچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا

یہ تھے حضرت عارفؔ کے اسلاف جن کے حالات مختصراً بیان ہوئے۔

اگر یہ سچ ہے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ تو اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان اسلاف سے حضرت عارفؔ کے حصّے میں کیا کیا اوصاف اور خوبیاں توریثاً آئی ہوں گی۔

بعض چیزیں اکتسابی ہوتی ہیں جو ذاتی جدوجہد اور کوشش سے حاصل ہوسکتی ہیں مثلاً علم و حکمت، زہد و تقویٰ، مال و دولت لیکن بعض چیزیں محض وہبی ہوتی ہیں جو ذاتی محنت اور تگ و دو سے حاصل نہیں ہوسکتیں ان کا انحصار صرف خدا کی دین پر ہوتا ہے مثلاً یہ کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ کسی نحس دن یا تاریخ کی بجائے کسی مبارک دن تاریخ اور وقت میں پیدا ہو۔ اسی طرح کسی کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ کسی شریف اور اعلیٰ خاندان میں پیدا ہو۔ پھر ان وہبی چیزوں کا یکجا جمع ہونا بھی لازمی نہیں۔ دیکھا جاتا ہے کسی میں ایک صفت یا خوبی پائی جاتی ہے تو دوسری صفت نہیں پائی جاتی مثلاً کسی میں زہد و تقویٰ ہوتا ہے تو علم و فضل نہیں ہوتا۔ کسی میں علم و فضل ہوتا ہے مگر زہد و تقویٰ نہیں پایا جاتا اور کسی میں یہ دونوں خوبیاں ہوتی ہیں تو ذاتی وجاہت اور اعلیٰ نسبی نہیں ہوتی اور بعض وقت یہ ساری خوبیاں یکجا جمع ہوجاتی ہیں ؎

لیس علی اللہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحدٍ

لیکن یہ بات شاذ و نادر ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ÷ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بہر حال ؎ انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری والا معاملہ بہت کم پیش آتا ہے۔

فیاضِ ازل نے حضرت عارف کی حد تک بڑی فیاضی سے کام لیا تھا اور ان ساری فضیلتوں کو ان میں جمع کر دیں تھیں کوئی ایسی خوبی نہ تھی کہ جو ان میں موجود نہ ہو۔ ان کو دیکھنے والا پکار اٹھتا تھا کہ

اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم؟

ان کی ولادت ۱۴ شعبان ۱۳۰۲ھ کو اس شب میں ہوئی جس کو قرآن میں "لیلۃ مبارکۃ" کہا گیا ہے جو عام اصطلاح میں "شب برات" کہلاتی ہے۔ یہ وہ شب ہے جس میں انسانی تقدیروں کا فیصلہ ہوتا ہے فیھا یفرق کل امرٍ حکیم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

اس شب میں سارے محاسن اور فضائل حضرت عارفؔ کے لئے مقدّر ومختص کرکے انھیں اس عالمِ ناسوت میں بھیجا گیا تھا۔ پھر انھوں نے ایسے ماحول میں اپنی آنکھیں کھولیں کہ جس میں ہر سمت علم وفضل، زہد وتقویٰ، تسبیح وتقدیس اور ہر جانب رُکَّعًا سُجَّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرَحْمَۃً کا رنگ تھا۔ وہ ایسے گھر میں پیدا ہوئے جس کی جامع اور مختصر تعریف بس یہ ہوسکتی ہے کہ ؎ ایں خانہ تمام آفتاب است۔ خاندانِ "خاندانِ نبوّت" پھر اس "گلشنِ سیادت" میں بغداد کی بہار جس کا ہر نخل شجرِ طور، جس کا ہر ذرّہ رُوکش آفتاب اور جس کی ہر روش کی یہ کیفیت کہ ؎

کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست

مادری سلسلہ بھی علم وفضل زہد وتقویٰ کی دولت سے مالا مال۔ مادرِ مشفقہ؏ حضرت شاہ عبد القادر مہاجر مدنی المعروف بہ ذرد علی شاہؒ کی قرۃ العین اور بذاتِ خود "رابعۂ وقت" ہر وقت لب پر درود وسلام ؎ "دست بکار دل بہ یار" کی جیتی جاگتی تصویر غرض پدری سلسلہ ہو یا مادری سلسلہ ہر ایک "سلسلۃ الذہب" جس کی ہر کڑی کا ہونا ہر کسوٹی پر پورا اُترتا تھا۔ بقول مولانا آزاد

"اللہ کی نعمتوں میں جن کے ذریعہ وہ اس دُنیا میں اپنے بندوں کو سعادت بخشتا ہے ایک بڑی نعمت آباء صالحین کے لئے یہ ہے کہ اولادِ صالح عطا فرمائی کہ رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ اور وَوَھَبْنَا لَہٗ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَکُلًّا ھَدَیْنَا الخ اور اولاد کے لئے یہ ہے کہ والدین صالح ہوں۔ سورہ کہف میں جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک گری ہوئی دیوار کو جن کے یتیموں کے دفینے کی حفاظت کی تو فرمایا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا اور حضرت

؏ آپ کا نام حضرتہ افضل بیگم صاحبہ تھا جن سے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تولد ہوئیں (۱) حضرتہ محی الدین بیگم صاحبہ مادرِ مشفقہ راقم الحروف (۲) حضرت سید شاہ وحید بادشاہ صاحب قادری عارفؔ (۳) حضرت سید شاہ لطیف محی الدین صاحب قادریؒ (۴) حضرتہ فاطمہ بیگم صاحبہؒ۔

یوسف علیہ السلام کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنّما الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم اور ظاہر ہے کہ کسی خاندان میں عرصہ تک علم و صلاح کا باقی وجاری رہنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ ان دونوں نعمتوں سے فیضیاب ہو۔ آبا کو اولاد صالح اور اولاد کو آباء صالح نصیب ہوں۔"

پس بلاشبہ حضرت عارف کے پدری و مادری دونوں سلسلے اس نعمت سے پوری طرح بہرہ ور تھے جس کی وجہ سے یہ نعمت ان کے حصے میں بھرپور آئی تھی۔

دادا نے نام "وحید" رکھا اور عرفیت "عارف" تجویز کی۔ معلوم نہیں یہ بات شعوری طور پر ہوئی تھی یا غیر شعوری طور پر۔ بہرحال یہ "وحید" آگے چل کر "وحید العصر" اور یہ "عارف" اسم بامسمّٰی "عارف" ہوا۔

بدوِ شعور سے سعادتمندی زندگی کا جزوِ لاینفک بن گئی جو آبا و صالحین کی اعلیٰ تربیت اور شرافتِ خاندانی کا نتیجہ تھی ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی | می تافت ستارۂ بلندی

مختلف اساتذہ سے کتب متداولہ اور محدثِ وقت مولانا منصور علی خاں (پدر نواب مقصود جنگ) سے کتبِ احادیث پڑھیں۔ ذکر و شغل اور مجاہدہ کی تکمیل اپنے جدِ امجد و پیر طریقت سے کی جنھوں نے ۷ اربیع الثانی ۱۳۲۲ھ کو بیعت اور خلافت سے سرفراز کر کے انھیں مسندِ ارشاد پر بٹھا دیا۔ جس وقت حضرت ہجرت فرما رہے تھے آپ کے غمِ جدائی میں زار و قطار اشک بار تھے روضۂ مقدسہ کا صحن الوداع کہنے والوں سے بھرا ہوا تھا حضرت نے اپنے اس پوتے کا ہاتھ پکڑ کر سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں نے وحید کو اپنے رنگ میں رنگ کر اس کو رنگریز بنا دیا ہے اور یہ ہزاروں کو رنگ دے گا" چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور اس رنگریز نے ہزاروں کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ مسندِ ارشاد پر بیٹھنے کے بعد سے جو رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع ہوا وہ آخر وقت تک قایم رہا۔

وعظ زیادہ تر فضایل و مناقب یا پھر ردّ عقاید باطلہ پر مشتمل ہوتا۔ جمعہ کی نماز سے قبل تفسیر یا احکامِ فقہ بیان فرماتے۔ غرہ ربیع الاول سے ۱۱ ربیع الاول تک اور غرہ ربیع الثانی سے ۱۱ ربیع الثانی تک اور اسی طرح غرہ محرم سے ۹ محرم تک شب میں پابندی سے وعظ فرماتے اس کے علاوہ ربیع الاول اور ربیع الثانی میں بعد عصر ثانی مجالس ہوتیں۔ خاص خاص مواقع پر ان تقاریب کی مناسبت سے فضایل اور مناقب بیان فرماتے۔ طریقِ بیان محدثین کا ہوتا۔ یعنے حدیث کے ساتھ اس کے اسناد بھی بیان فرما دیتے اور آدابِ مجلس کا بہت خیال رکھتے یعنے عموماً تخت پر بیٹھ کر وعظ فرماتے جس پر قالین کا فرش ہوتا اور تکیے لگائے جاتے رات کی مجلسوں میں تخت پر دونوں جانب برقی گلدستے رکھے جاتے۔ سامعین کے لئے نیچے فرش کیا جاتا اور جب تک وعظ ہوتا اگر بتیاں جلائی جاتیں جس سے مجلس میں ہر طرف خوشبو کی لپیٹیں آتیں وعظ سے پہلے اور بعد نعت یا منقبت ہوتی۔ ختمِ وعظ پر تبرک تقسیم کیا جاتا۔

سیرتِ حضرت امام مالکؒ میں مرقوم ہے کہ امام حدیث بیان کرنے کے لئے اسی قسم کا اہتمام فرماتے تھے۔ مجلس میں تخت رکھا جاتا عود و لُبان کے بخور سے ساری محفل مہک اُٹھتی سامعین کے لئے پُر تکلف فرش کیا جاتا امام جب تخت پر رونق افروز ہوتے تو ہر طرف خاموشی چھا جاتی یہاں تک کہ احادیث لکھنے والے اس قدر آہستہ لکھتے کہ قلم چلنے کی آواز نہ آئے تاکہ امام کو ناگوار نہ گزرے۔

سیّد العارفین حضرت سیّد عبدالقادر الجیلانی رضؓ کے احوال میں لکھا ہے کہ حُضور کی مجلس میں ایک ایک لاکھ اشخاص کا مجمع ہوتا۔ تقریباً چار ساڑھے چار سو علماء قلم دوات کاغذ لے کر آپ کے ارشادات نقل کرنے حاضر رہتے باوجود اس اژدحام کے ہر طرف سنّاٹا رہتا۔ ایک دفعہ کسی نے باوازِ بلند "اللّٰہ" کہہ دیا۔ آپ نے اس کو فوراً ٹوک دیا اور فرمایا کہ فردائے قیامت میں تجھ سے اس کی نسبت بھی سوال ہوگا کہ تو نے یہ ریا سے تو

نہیں کہا تھا۔ ان مجالس کی ایک جھلک حضرت عارف کی مجلسِ وعظ میں نظر آتی تھی جس میں ہر شخص مودب اور ہر ایک ہمہ تن گوش بر آواز رہتا تھا۔ سارا ماحول متانت اور سنجیدگی کا ہوتا تھا۔ وعظ میں حقایق اور معارف کے سوا بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور بے سروپا باتیں نہ ہوتی تھیں۔ طبعاً بھی آپ غیر سنجیدہ گفتگو اور گھٹیا قسم کے مذاق کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ غرض ؎

زبانِ حال سے کہتی تھی سب سے محفلِ عارف ۔ جو بیٹھو باادب ہو کر تو اُٹھو باخبر ہو کر

اور پھر یہ نہ تھا کہ "برونِ خانہ" ایک رنگ ہو اور "درونِ خانہ" دوسرا رنگ ہو جو متانت اور سنجیدگی باہر رہتی تھی وہی گھر کے اندر نظر آتی تھی۔ وہ اپنے اوقات بے نتیجہ گفتگو اور فضول باتوں میں ضایع کرنے سے حتی الامکان محترز رہتے تھے۔ ان کا مشغلہ تھا حدیث، تفسیر، علمی تحقیقات یا پھر تلاوتِ قرآن اور عبادت ان کا یہ ایقان تھا کہ ؎

اوقات ہمہ بود کہ در یاد بسر شد ۔ باقی ہمہ بے حاصلی و بے خردی بود

شب کا بیشتر حصہ ذکر و شغل میں گزرتا۔ نماز فجر کے لئے خود اُٹھتے تو گھر والوں کو بھی اُٹھا دیتے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے اشراق تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے اس کے بعد اپنے جدِ اعلیٰ حضرت پیر شاہ محی الدین ثانیؒ کے روضۂ پُرانوار پر حاضری دیتے۔ دس بجے گھر واپس آتے اور تب کہیں ناشتہ فرماتے۔ گھر والوں سے گفتگو کا یہی وقت ہوتا۔ ناشتہ کے بعد باہر سے آنے والوں کو ملاقات کا موقع دیتے یا پھر اخبار بینی فرماتے آخر عمر میں یہ وقت درسِ حدیث یا تجوید کے لئے مختص ہو گیا تھا۔ اس مشغولیت سے فراغت حاصل ہوتی تو کتب بینی اور علمی تحقیقات میں مصروف ہو جاتے جو کتاب زیرِ مطالعہ ہوتی اس کے حاشیہ پر اپنی تحقیقات کے نتایج لکھتے جاتے۔ یہ سلسلہ نمازِ ظہر تک رہتا جو بالعموم تاخیر سے ادا کرتے کیونکہ بار بار وضو کے لئے نشست و برخواست وجع مفاصل کے باعث دشوار تھی اسی وضو سے عشا تک نماز ادا فرماتے۔ نماز عصر کے بعد خاصہ تناول

کرتے اور مسجد میں آجاتے جہاں سے عشا کے بعد واپس ہوتے۔ ساری نمازیں باجماعت ادا کرتے۔ جمعرات کے دن صبح میں جب تک حضرت سید حبیب العیدروسؒ بقید حیات تھے ان کے حلقۂ ذکر میں شریک ہوتے اور شام میں مع اپنے صاحبزادوں اور مریدوں کے ختم قادریہ میں شرکت کرتے۔ اکثر آپ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حبیب العیدروس میں پیا پیرومرشد (حضرت سید شاہ مرتضیٰ قادریؒ) کی بہت مشابہت ہے اس لئے میں پابندی سے ان کے حلقۂ ذکر میں شریک ہوتا ہوں۔ حلقۂ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد اپنی بڑی بہن یعنی اس خاکسار کی والدہ مشفقہ سے ملاقات کے لئے آتے اور ناشتہ فرماتے۔ عموماً سارا دن بہن کے پاس گزارتے اور عصر کے کچھ دیر قبل یا بعدِ عصر واپس ہوتے۔ اس موقع پر ایک واقعہ یاد آگیا جس کو یہاں اس لئے بیان کردینا چاہتا ہوں کہ دونوں بھائی اور بہن کی باہمی محبت اور خلوص کا سب کو اندازہ ہوسکے۔ ایک دفعہ حسبِ معمول حلقۂ ذکر سے فارغ ہوکر آپ اپنی بہن کے گھر آئے تو ناشتہ تیار تھا لیکن آپ نفل روزہ سے تھے اس لئے بہن سے معذرت چاہی بہن نے کہا "بڑے میاں تم کو معلوم ہے کہ میں آج کے دن تمھارے ساتھ ناشتہ کرنے کے لئے منتظر رہتی ہوں آخر آج ہی روزہ رکھنے کی کیا ضرورت تھی خیر بے خیالی سے رکھ لیا ہے تو قضا کرلینا" اور پھر ماما کی جانب پلٹ کر کہا کہ صاحب کے ہاتھ پر پانی ڈالے۔ حضرت بے اختیار ہنس پڑے اور اپنا ہاتھ بڑھا دیا بہن کی دلجوئی کی خاطر روزہ توڑ دیا۔ واقعہ بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن غور کیجیے کہ آج اولاد بھی ماں باپ کی اس طرح خیال داری کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تا بہ دیگراں چہ رسد؟

آخر عمر میں وجع مفاصل نے بہت مجبور کردیا تھا۔ نشست برخواست میں دشواری ہونے لگی تھی یہاں تک کہ رفع حاجت کے لئے پہیوں والی کرسی پر بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ نماز باجماعت کے لئے مکان سے مسجد تک کا فاصلہ طے کرنا دشوار تھا اس لئے درگاہِ شریف کی

مسجد سے متصلہ مکان کو تعمیر کر کے اس میں منتقل ہوئے۔ منتقلی کے قبل اپنی تمام جائداد اپنے ورثاء[عہ] میں تقسیم فرمادی۔ اپنے لئے بجز اشیاء مایحتاج، لباس پوشیدنی اور کتب خانے کے کچھ نہ رکھا ؎

عدیلِ ہمت ساقی ست فطرتِ عرفی　　کہ حاتمِ دگراں و گدائے خویشتن است

حوائج ضروری کی پابجائی کے بعد اگر کچھ رقم باقی رہ جاتی تو وہ بھی تقسیم میں آجاتی یا پھر کسی نیک کام میں لگا دیتے۔ اپنے اسلاف کے آثار کی نگہداشت کا بڑا خیال رکھتے چنانچہ اپنی نگرانی میں حضرت سید شاہ عبدالحی الدین قادریؒ اور حضرت سید شاہ درویش محی الدین قادریؒ و محل محترمہ حضرت سید شاہ محی الدین ثانی قادریؒ کے مزارات موقوعہ لنگر حوض ؒ کاروان ساہو کی ترمیم کروائی۔ کرنول کو ہر سال اپنے جدِّ اعلیٰ کے عرس کے لئے پابندی سے جایا کرتے اور وہاں کچھ نہ کچھ خدمت کر کے واپس ہوتے۔ روضۂ منورہ کا باب الداخلہ، احاطہ کی دیوار، متصلہ مکان، نل۔ لائٹ۔ اور حنفی کی تعمیر اور درگاہ شریف کا نقروی دروازہ یہ سب آپ کی یادگار ہیں۔ حضرت لاابالی قدس سرہ کے وصال کے دن عشاء کے بعد آپ کے مناقب اور حالات بیان فرماتے اور دوسرے دن زائرین اور وہاں کے لوگوں کو مدعو کرتے۔ اس بارے میں لا اسراف فی الخیر پر ان کا عمل تھا۔ زیارتِ حرمین کی چار دفعہ سعادت حاصل کی۔ پہلا حج ۱۳۵۱ھ میں دوسرا ۱۳۵۲ھ میں تیسرا ۱۳۵۴ھ میں اور چوتھا ۱۳۵۵ھ میں۔ فرماتے تھے کہ پیر و مرشد نے جب ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ پہونچے تو وہاں سے تحریر فرمایا تھا کہ میں نے جالی مبارک پکڑ کر دعا مانگی ہے کہ جب تک میری نسل باقی ہے میرے خاندان سے کوئی نہ کوئی یہاں کا زائر رہے یہ کہہ کر ارشاد فرماتے کہ

[عہ] حضرت شاہ غلام محمد صاحبؒ ابن حضرت زردعلی شاہ صاحبؒ کی صاحبزادی حضرت سلطانی بیگم صاحبہؒ آپ کے حبالۂ عقد میں آئیں جن کے بطن سے سید شاہ عبداللطیف قادری۔ سید شاہ عبدالحی الدین قادری۔ سید شاہ محمد مرتضیٰ قادری۔ اُمتہ الفاطمہ عائشہ بیگم اور سید شاہ غلام قاسم قادری تولد ہوئے اور بفضلِ خدا یہ سب بقیدِ حیات ہیں۔

دُور سے سلام مسنون پر اکتفا فرماتے۔ طہارت کا اس درجہ خیال رکھتے کہ اگر احیاناً ہاتھ کسی سے مَس ہو جاتا تو اس کو پیٹرول سے صاف کر کے پھر صابن سے بار بار دھوتے الغرض مزاج میں حد درجہ نزاکت اور نفاست تھی۔ حضرت عارفؔ کی ملاقات کے لئے پیر صاحب تشریف لائے تو صاحبزادے کو بھی لیتے آئے اور راستے میں صاحبزادے کو تاکید فرماتے رہے کہ دیکھنا سلام پر اکتفا نہ کرنا ان سے مصافحہ بھی کرنا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت پیر صاحبؒ کی نظر میں حضرت عارفؔ کی کیسی قدر و منزلت تھی۔

پہلی مرتبہ جب آپ بغداد شریف حاضر ہوئے تو وہاں سخت سردی پڑ رہی تھی۔ فجر کی نماز کے لئے کمرے سے باہر نکلنا محال تھا۔ کواڑ کھولتے ہی ایسا معلوم ہوتا کہ دشمن حملہ کر رہا ہے۔ سردی کی تیز لہر اندر گھس آتی اور سب کپکپانے لگتے۔ نوبت بایں جا رسید کہ ایک صاحب کو پیشاب کے لئے باہر جانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ بیٹھے بیٹھے اپنے کپڑوں میں فارغ ہو گئے۔ مگر واہ رے عزم و استقامت کہ باوجود کبر سنی اور شدید وجع مفاصل کے اس اللہ کے بندے کے پروگرام میں کوئی فرق نہ آیا۔ کہاں کی سردی کہاں کا بستر۔ وہاں تو تتجافی جنوبھم عن المضاجع والا معاملہ تھا۔ ادھر فجر ہوئی اور اُدھر وہ بستر سے اُٹھ کھڑے ہوئے باوصف شدید سردی کے وضو کیا اور باب الشیخ پہونچ گئے الاستقامۃ فوق الکرامۃ یہ نہیں تو پھر کیا ہے۔

زیارت حرمین ہو یا سفر عراق ان کی روانگی اور واپسی کا بھی عجیب انداز ہوتا تھا۔ روانگی تک ارادتمندوں قرابتداروں اور دیگر ملنے والوں کو چھوڑئیے خود گھر والوں کو یہ خبر نہ ہوتی کہ کس دن اور تاریخ روانگی ہوگی اگر کوئی جرأت کر کے پوچھ لیتا تو مسکراتے ہوئے فرماتے کہ "دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے" بہرحال یکایک روانگی ہوتی اور اکثر

بے خبر رہ جاتے۔ اسی طرح واپسی کی تاریخ کا کسی کو علم نہ ہوتا۔ تشریف آوری کے بعد ہی پتہ چلتا کہ واپسی ہو چکی ہے۔ آج کل کے اعلانات، وداعی اور خیر مقدمی جلسوں، گل پوشیوں اور ضیافتوں کو دیکھو اور پھر اس سفر کو دیکھو جس میں ریا کا پتہ نہیں، نمود و نمائش کا شائبہ نہیں عبادت بس عبادت کے لئے ہو رہی ہے مخلصین له الدین حنفاء کی عملی تفسیر پیش کی جا رہی ہے ؎ یوں عبادت ہو تو زاہد ہیں عبادت کے مزے

رمضان کا مہینہ آتا تو عبادت کا ذوق و شوق اور بڑھ جاتا۔ عزم و استقامت کا رنگ نکھر آتا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ قرآن کا جشنِ جوبلی ہو رہا ہے یا اس کی سالگرہ منائی جا رہی ہے۔ شب و روز تلاوتِ قرآن، مسلسل کئی کئی ختم اور پھر تراویح میں روزانہ تین تین پاروں کی اور بعض اوقات پانچ پانچ پاروں کی بحالت قیام سماعت۔ خالی اوقات میں بیٹھ کر اٹھنا دشوار گھر ہی میں رفع حاجت کے لئے ٹھیل گاڑی کا استعمال لیکن نماز میں بالکل تندرست قیام بھی ہو رہا ہے قعود بھی۔ پھر پہلا عشرہ ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے عشرہ کی فکر شروع ہو جاتی تلاش اس کی رہتی کہ کہاں تجوید اور ترتیل سے قرآن پڑھا جاتا ہے بمصداق ؎ ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

اس بارے میں فاصلہ کی نزدیکی یا دوری یا مسجد کی سطح کی بلندی اور پستی کا کوئی سوال نہ ہوتا دور سے دور اور اونچی سی اونچی مسجد کے زینے طے کر جاتے۔

کثرتِ تلاوت کے باعث تقریباً قرآن حفظ ہو چکا تھا۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ حافظ سے سہو ہوا ہو اور آپ نے پیچھے سے رہبری نہ کی ہو۔ لیکن جس طرح چار حج کرنے کے بعد "الحاج" کا دم چھلہ اپنے نام کے ساتھ نہیں لگایا، کبھی خود کو "قاری" لکھا نہ "حافظ" کے القاب استعمال کئے جائیں۔ وہ اس مقام استغنا پر فائز تھے جہاں پہنچے

کے بعد ان ساری چیزوں سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ ہاں انھیں ناز تھا تو بس اس پر تھا کہ
لوگ کہتے ہیں گدائے شاہِ جیلانیؓ مجھے

اِس نسبت اور اعلیٰ نسبی پر ان کی ذاتی وجاہت سونے پر سہاگہ ہو گئی تھی۔ ارباب کشف اور صاحبانِ دل کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ اپنے جدِّ امجد حضور غوثِ اعظمؓ کے بالکل ہم شبیہہ تھے بجز اس کے کہ حضور نحیف البدن تھے اور یہ جسیم تھے۔

حضرت لیٰسین میاں صاحبؒ ایک دفعہ راقم الحروف کے پاس تشریف لائے اور دعوت کا رقعہ دے کر خواہش کی کہ حضرت کو میں اپنے ساتھ لاؤں۔ ان سے مجھے پیشتر سے شناسائی نہ تھی میں نے کہا کہ آپ خود حضرت سے مل کر درخواست کریں جواباً انھوں نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ کے پاس گیا تھا اور اُن سے یہ درخواست کی تھی انھوں نے کہا کہ حضرت آج کل وجع مفاصل کے باعث کسی دعوت میں شریک نہیں ہو رہے ہیں اگر میں بھی اصرار کروں تو عذرِ علالت فرمائیں گے محمود میاں کو حضرت کی مزاج میں بڑا دخل ہے ممکن ہے کہ وہ اصرار کریں تو حضرت رضامند ہو جائیں لہٰذا آپ محمود میاں کے پاس جائیں چنانچہ میں وہاں سے اُٹھ کر سیدھے آپ کے پاس آ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آخر آپ کو حضرت کی شرکت پر اس قدر کیوں اصرار ہے آج کل حضرت کے مرض میں شدت ہے آپ اصرار نہ کریں تو مناسب ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ دراصل بات یہ ہے کہ حضرت حضور غوثِ پاکؓ کے بالکل ہم شبیہہ ہیں اور پھر حضور کی اولاد سے ہیں اس لئے میں ان کی شرکت کو حضور کی شرکت تصور کرتا ہوں ورنہ اصرار نہ کرتا۔

ایک دوسرا واقعہ سُنئے۔ دورانِ گفتگو میں ایک دفعہ حضرت وجودی شاہ صاحبؒ نے مجھ سے حضرت سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ملاقات ہو تو کیسی ہو ادھر میں

علیل ہوں اور اُدھر حضرت وجع مفاصل میں مبتلا ہیں۔ جب اس کا حال حضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا میں نے شاہ صاحب کی نسبت سُنا ہے کہ یہ عاشقِ غوث ؓ ہیں اور بہت سی خوبیوں کے حامل ہیں لہذا ہم خود ان سے ملنے کے لئے چلیں گے میں نے شاہ صاحب کے پاس اطلاع بھیج دی کہ کل حضرت تشریف لا رہے ہیں۔ الغرض دوسرے روز اپنی موٹر میں حضرت کو لے گیا۔ حضرت دیوان خانے کے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور حضرت وجودی شاہ صاحب بھی آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ گئے۔ اس کے بعد دونوں جانب خاموشی رہی۔ میں محوِ حیرت تھا کہ یا تو ملاقات کا اس قدر اشتیاق تھا اور اب ملاقات ہوئی تو سکوت طاری ہے۔ بہرحال کچھ دیر یہی حال رہا اور اس کے بعد سلسلہ کلام آغاز ہوا۔ اس واقعہ کے تقریباً ایک ہفتہ بعد حضرت شاہ صاحب کے پاس مجھے دوبارہ حاضری کا اتفاق ہوا۔ معلوم ہوا کہ چار پانچ روز تک ان پر عالمِ مستی و بیخودی طاری رہا۔ مجھ سے فرمانے لگے محمود میاں میں نے حضرت سے ملاقات کے قبل خواب میں حضور غوثِ پاک سلام اللہ علیہ سے مشرف ہوا تھا۔ آپ کے ماموں تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کا چہرہ حضور کے چہرے کی مانند تاباں و درخشاں ہے اور دونوں میں کامل مشابہت ہے اور پھر یہ بھی اسی انداز سے اور اسی مقام پر بیٹھے جہاں میں نے خواب میں حضور کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ بہرحال اس واقعہ کی وجہ سے میں بے قابو ہوگیا اور حضرت سے گفتگو کے قابل نہ رہا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت وجودی شاہ صاحبؒ بازدید کے لئے تشریف لائے تو بجائے حضرت سے دست بوسی کے دہلیز کو چوم لیا۔ الغرض شاہ صاحبؒ کو بارگاہِ غوثیت میں عجیب عقیدت و ارادت تھی۔ حضرت عارفؒ سے جب وہ ملتے تھے تو ان کی نظروں میں کسی اور کا نقشہ ہوتا تھا سچ ہے طُرق العشق کلہا ادبٌ ؎

مشتق چو نیک درنگری عینِ مصدر است
کیں در صفات ظاہر خود مضمر آمدہ

میں نے آپ کے سامنے دو پیرانِ طریقت کی شہادت اس لئے پیش کی ہے کہ آپ میرے بیان کو مبالغہ پر محمول نہ کریں۔

وَاِذَا لَمْ تَرَ الْھِلَالَ فَسَلِّمْ ۔۔۔ لِاُنَاسٍ رَاَوْہُ بِالْاَبْصَارِ

حضرت کے معاصرین اکابرِ ملّت آپ کا کس درجہ احترام کیا کرتے تھے واقعاتِ ذیل سے اس کا اظہار ہو گا۔

مکہ مسجد میں عروۃ الوثقیٰ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ حضرت سیّد غلام غوث صاحب شطاریؒ کا وعظ ہو چکا ہے اب منبر پر شیخ الشیوخ حضرت سیّد محمد عمرؒ حسینی صاحب قادری وعظ فرما رہے ہیں۔ عین اس وقت حضرت عارفؔ داخل ہوتے ہیں۔ شیخ الشیوخ کی حضرت پر نظر پڑتی ہے فوراً منبر سے یہ کہہ کر اُتر جاتے ہیں کہ "حضرت آچکے ہیں مجھ سے کیا سُنتے ہو دادا کا بیان پوتے سے سُنو"۔

حضرت شیخ الشیوخ علیل ہیں حضرت عارفؔ عیادت کے لئے جاتے ہیں مزاج پرسی کر کے واپس ہونے لگتے ہیں شیخ الشیوخ فرماتے ہیں کہ آج مجھ سے خلافِ عادت بات ہو رہی ہے میں ہمیشہ حضرت کو باہر تک آکر رخصت کیا کرتا تھا آج میں اس قابل نہیں کہ اُٹھ سکوں اور پھر اپنے صاحبزادے کو طلب کر کے حکم دیتے ہیں کہ باہر تک حضرت کو لے جا کر رُخصت کریں۔

حضرت مولوی عبد القدیر صدیقی حسرتؔ سے کون واقف نہیں یہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے حامل تھے، عالم بھی تھے صوفی بھی۔ سپاہی بھی اور فقیر بھی۔ ان سے خاکسار کو بھی شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ ہر اتوار کو آپ کے پاس تفسیر کا درس ہوا کرتا تھا ایک دفعہ حضرت نے

مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ مولانا کے پاس درس میں جایا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک عرصہ سے اتفاق نہیں ہوا۔ حضرت کے اس سوال سے منشاء معلوم ہوا کہ آپ شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اگر حضرت کا ارادہ ہے تو میں موٹر لے کر حاضر ہو جاؤں گا فرمائے اگر آپ جا رہے ہیں تو میں بھی آجاؤں گا چنانچہ دوسرے اتوار کو میرے ساتھ ملک پیٹھ تشریف لے گئے۔ درس شروع ہو چکا تھا ہال میں لوگ بھرے ہوئے تھے اس لئے حضرت آخری دروازے سے داخل ہو کر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ گئے۔ حبیب علی صاحبؒ خلیفۂ حضرت حسرت کی نظر پڑ گئی۔ انھوں نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت تشریف لائے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ حضرت حسرت نے کہا کہ مجھے اٹھاؤ چنانچہ بغلوں میں ہاتھ دے کر اٹھایا گیا حضرت کی طرف مخاطب ہو کر سلام کیا اور فرمایا ادھر تشریف لایئے غرض ان کے اصرار پر حضرت اپنے مقام سے اٹھے اور مولانائے محترم کے پاس جا بیٹھے۔ مولانا نے فرمایا کہ آج شب میں میرے گھر میں آپ کے جدِّ پاک کی مجلس ہے آپ تشریف لایئے میرے لئے ڈبل عید ہوگی اس کے بعد پوچھا "کیا حکم ہوتا ہے" حضرت نے فرمایا "بسم اللہ" چنانچہ سلسلۂ درس جو منقطع ہو چکا تھا پھر آغاز ہوا جو کچھ دیر بعد ختم ہوا۔ اس کے بعد مولانا نے صاحبزادے سے کہا کہ حضرت کو میرا حالیہ کلام سناؤ۔ صاحبزادے ترنم سے سنانے لگے۔ حضرت عارف بےحد محظوظ ہوئے اور جب تک یہ سلسلہ جاری رہا دونوں حضرات کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ختم مجلس پر جب حضرت اٹھے تو فرمایا "ہم آپ کے سماع قادریہ سے بہت محظوظ ہوئے" سچ ہے کہ جس طرح روئے دل آرام کے لئے حاجتِ مشاطہ نہیں اسی طرح کسی اچھے کلام کے اثر انداز ہونے کے لئے مزامیر لازمی نہیں بقول حضرت جلیل ؎

مزے سے کوئی درد خالی نہیں مگر اپنے دل میں مزہ چاہیئے

سید جلال الدین صاحب قادری نائب ناظم جنگلات کے بنگلہ "نفیس گلشن" واقع

سوماجی گوڑہ میں محفلِ میلاد ہو رہی ہے۔ علماء مشائخین اور عہدہ دار سب جمع ہیں۔ حضرت بھی تشریف فرما ہیں۔ منقبت ہو رہی ہے۔ یکایک شیخ الاسلام حضرت سیّد محمد بادشاہ حسینی صاحب پر رقت طاری ہوتی ہے۔ اپنے مقام سے اُٹھتے ہیں اور حضرت سے آکر لپٹ جاتے اور رونے لگتے ہیں پھر عالمِ مستی میں اپنے سر سے عمامہ اُتارتے ہیں اور حضرت کے فرقِ مبارک پر سے وار کر منقبت خواں کی طرف پھینکتے اور پھر حضرت سے لپٹ کر رونے لگتے ہیں اور نذر گزرانتے ہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مئے محبّت سے سرشار ہیں۔ ان کا وجد و حال زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ ؎

ایں خرقہ کی می پوشم در رہن شراب اولے
ایں دفتر بے معنے غرقِ مئے ناب اولے

یا بقول حضرتِ جگر ؎
از خرقہ و عمامہ من ہیچ نمی دانم
گہ گہ مگر ایں ساماں در رہن شراب اولے

سیّد ہدایت محی الدین صاحب فدائی موظف ناظم دار القضاء اور سجّادہ درگاہ حضرت معروف شاہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ جانشینی کا مسئلہ پیش ہے۔ بھتیجے نامزد ہوتے ہیں اور یہ حضرت ابو النصر حموی کی خدمت میں جو اُس وقت شمس آباد میں قیام پذیر تھے حاضر ہو کر درخواست کرتے ہیں کہ تشریف لا کر انھیں خرقہ خلافت پہنائیں اور جانشینی کا اعلان کریں۔ حضرت ابو النصر صاحب اُن کو حضرت کے پاس روانہ کرتے ہیں اور حضرت دوبارہ ان کو حضرت ابو النصر صاحب کی خدمت میں بھیجتے ہیں کہ وہی یہ کام انجام دیں۔ مکرّر حضرت ابو النصر صاحب ان کو اس پیام کے ساتھ حضرت کے پاس بھیجتے ہیں کہ آپ اس کے زیادہ احق ہیں اور جب حضرت نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "آپ کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔" بالآخر حضرت عارف نے ہی خلافت دی اور جانشینی کا اعلان کیا۔

حضرت کے وصال کے بعد اکابرینِ ملّت نے جو تاثرات ظاہر کئے ان سے بھی قارئین کو اندازہ ہوگا کہ ان کے دلوں میں آپ کی کس قدر عظمت تھی۔ الغرض اعلیٰ نسبی، شخصی وجاہت، علم و فضل زہد و تقویٰ اور سب سے زیادہ اپنے جدِ پاک سے ان کی خاص نسبت نے ان کو اپنے اقران و معاصرین میں ممتاز کر دیا تھا۔ اس نسبت کے بل بوتے پر وہ بڑی سی بڑی قوت سے ٹکرا جاتے تھے اور اس میں نفع یا نقصان مقبولیت یا غیر مقبولیت کی قطعاً پروانہ کرتے تھے۔ بارہا یہ کہتے ہوئے ان کو سُنا گیا کہ ؎

فاش می گویم و از گفتۂ خود دل شادم — بندۂ عشقم و از ہر دو جہاں آزادم

جس وقت وہ اشعار ذیل ایک مستی کے عالم میں پڑھتے تھے تو سُننے والوں پر بھی ایک عجیب حالت بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ اپنے جدِ پاک سے مخاطب ہو کر عرض کرتے کہ ؎

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کُتا تیرا

تجھ سے در۔ در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت — میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے — حشر تک میرے گلے میں رہے پٹّا تیرا

میری نسبت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد — ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

اُمورِ دینی میں وہ ہمیشہ حق کا ساتھ دیتے تھے مُداہنت مُروّت، دلجوئی اور رعایت کی ان کے مشرب میں گنجائش نہ تھی۔ جب کوئی فتویٰ دیتے تو احتیاط کا پہلو پیشِ نظر رکھتے جو فتویٰ ہوتا "اقرب للتقویٰ" ہوتا۔ مُشتے نمونہ از خروارے چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

صدقۂ فطر کے سلسلہ میں یہ سوال اُٹھا کہ "صاع" اور "مُد" کی ہم وزن مقدار موجودہ اوزان میں کیا ہو سکتی ہے اور کس قدر فطرہ دیا جانا چاہیئے۔ صدارت العالیہ کی

جانب سے سوا سیر گیہوں مقدار فطرہ بتائی گئی تو سخت اختلاف رُونما ہوا۔ آپ نے دلائل فقہی اور احادیث سے سوا دو سیر گیہوں مقدارِ فطرہ قرار دی اور اس مُد کا حوالہ دیا جو راقم الحروف کے جدِ اعلیٰ کے پاس اباً عن جد آیا تھا اور جس پر اسناد درج ہیں۔ مولانا حُسام الدین فاضلؒ فرماتے تھے کہ سوا سیر فتویٰ ہے اور سوا دو سیر تقویٰ۔ سوا سیر میں سوا دو سیر شامل نہیں لیکن سوا دو سیر میں سوا سیر شامل ہے لہذا سوا دو سیر فطرہ دینا تقویٰ اور اقویٰ ہے۔

اسی طرح ریڈیو سے رُویتِ ہلال کی اطلاع کا مسئلہ مابہ النزاع بن گیا تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ کیوں جدید ذرائع سے کام نہ لیا جائے ریڈیو سے کسی مقام پر رُویت ہونے کی اطلاع مل جائے تو ختم ماہِ صیام کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔ حضرت اس رائے کے مؤید نہ تھے ریڈیو کی اطلاع آپ کے پاس "الخبر یحتمل الصدق والکذب" سے مستثنےٰ نہ تھی شرعاً عینی شاہد کا عاقل بالغ اور معتبر ہونا ضروری ہے ان شرائط کی ریڈیو کی اطلاع سے تکمیل نہیں ہوتی اس لئے یہ میں آپ نے بعض اہم خبروں کو جو ریڈیو سے نشر کی گئیں تھیں لیکن جن کی بعد میں تردید کی گئی تھی جمع کر کے استدلال فرمایا کہ اگر اسی طرح رویت کی اطلاع پر عمل کیا جائے اور بعد میں یہ پتہ چلے کہ اطلاع غلط ملی تھی تو اس سے ایک طرف ایک دن کا روزہ جاتا رہے گا اور دوسری طرف عید کی نماز ماہِ صیام کے آخری دن پڑھنے سے ادا نہ ہوگی۔ یہ دُور اندیشی بہت جلد صحیح ثابت ہوئی غالباً ۱۹۵۰ء کا ذکر ہے کہ ۲۹ رمضان کو ریڈیو کی اطلاع پر کہ شمالی ہند کے کسی مقام پر چاند نظر آیا حیدرآباد میں منجانب رویتِ ہلال کمیٹی رُویت کا اعلان کر دیا گیا حالانکہ حیدرآباد اور اس کے اضلاع میں رویت نہیں ہوئی تھی۔ اس اعلان سے عجیب انتشار پیدا ہوگیا۔ بعضوں نے روزہ توڑ دیا اور عید کر لی اور کہا کہ ؎

ہے رُویت ہلال کمیٹی کا فیصلہ اب چاہے چاند ہو کہ نہ ہو عید ہو گئی

اور بعضوں نے اپنا روزہ پورا کیا اور دوسرے دن نماز عید پڑھی۔

سال گزشتہ بھی یہی صورت پیش آئی۔ بعض جماعتوں کے کارکنوں نے مختلف محلوں میں گشت لگا کر ریڈیو کی اطلاع پر کہ کسی مقام پر ۲۹ کو رویت ہوئی کئی لوگوں کا روزہ تڑوا دیا لیکن بعد میں توثیق ہوئی کہ رویت نہیں ہوئی جن لوگوں نے احتیاطاً روزہ نہ توڑا تھا ان کا روزہ پورا ہوا اور جنھوں نے توڑا تھا وہ کفِ افسوس ملنے لگے۔

اس سال جبکہ یہ مضمون اشاعت کے لئے بھیج رہا تھا اننت پور میں یہی صورت پیش آئی ریڈیو کی اس اطلاع پر کہ کشمیر میں چاند نظر آیا ۳۰ رمضان کو قدیم بستی میں عید کی نماز پڑھی گئی۔ نئی آبادی کے لوگوں نے اس اطلاع پر اعتماد نہیں کیا۔ ۳۰ کو انھوں نے روزہ رکھا اور حیدرآباد میں بھی یہی عمل ہوا۔

ریڈیو کی اطلاع پر عمل کرنے کے نتائج آپ کے سامنے ہیں اس سے افتراق پیدا ہوتا ہے یا اتحاد غور کر لیا جا سکتا ہے۔ مسئلہ صاف سیدھا تھا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ختم کرو۔ کسی دُور دراز مقام کا مطلع اور ہمارا مطلع ایک نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی ملک میں رُویت ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم بھی رویت کا اعلان کر دیں گو ہمارے علاقہ میں باوجود مطلع صاف ہونے کے رویت نہ ہوئی ہو لیکن ہماری تجدّد پسندی نے اس سیدھے سادھے مسئلہ کو الجھا دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ ملّتِ اسلامیہ دو جماعتوں میں منقسم ہو گئی اور اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا۔ سہولت پسندی مقصود تھی دشواری کا سامنا ہو گیا۔

اسی طرح نماز میں آلۂ مکبر الصّوت کے استعمال کا مسئلہ باعثِ تفریق بنا ہوا ہے۔ اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جبکہ رمضان ۱۳۷۸ھ میں مکہ مسجد میں نماز جمعہ کے اندر میکروفون کے استعمال کی کوشش کی گئی جو ناکام ہوئی حضرت کو جب اس کی اطلاع ملی تو تمام علماء کے

تام اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کے لئے دعوت نامے جاری فرمائے چنانچہ ۱۲ رمضان ۷۵ھ
کو آپ کے دولت خانے پر علماء کا اجتماع ہوا اور کامل چار گھنٹے کی بحث و تحقیق کے بعد
بالاتفاق یہ تصفیہ ہوا کہ آلۂ مکبر الصوت خطبہ کی حد تک استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن
نماز کے اندر غیر صحیح اور ناجائز ہے ان دلایل اور براہین کو مولانا سید حبیب اللہ قادری
عرف رشید بادشاہ صاحب کامل الحدیث وصدر المصححین دائرۃ المعارف نے ایک ر
کی شکل میں جمع کر کے طبع کرائیں اور اس پر حیدر آباد کے تقریباً سب علماء کی دستخط موج
ہے۔ اس رسالہ میں مولوی سید عبد الرحمٰن صاحب مرحوم اور مولوی ذکی الدین صاحب
سابق ریڈر س طبیعات جامعہ عثمانیہ کی تحقیقاتی رپورٹ کا بھی حوالہ ہے کہ میکروفو
کی آواز اور متکلم و امام کی آواز دونوں عین نہیں ہیں۔ نیز حکیم الاُمت مولانا اشرف علی
تھانوی کا فتویٰ بھی درج ہے کہ اس آلہ کو داخل مسجد کرنا احترام مسجد کے خلاف او
اس کے استعمال میں مجالس غیر مشروعہ کے ساتھ تشبّہ ہے اور یہ کہ تبلیغ صوت سامعی
بعید تک شرعاً غیر ضروری ہے۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی کا فتویٰ بھی جنھیں علم دین میں
ایک خاص بصیرت حاصل ہے بحوالہ صدق جو رہنمائے دکن مورخہ ۵ ر اپریل ۱۹۵۹ء میں
شائع کیا گیا تھا نقل کیا گیا ہے جس میں صاحبِ موصوف نے تحریر فرمایا تھا کہ "اہلِ تحقیق
کا فیصلہ ہے کہ جو عبادتیں متعین و منصوص ہیں ان میں صرف مغز و روح ہی نہیں بلکہ
ان کی مخصوص وضع و ہیئت و صورت بھی مطلوب ہے جس میں نہ کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی
نماز بھی عبادت منصوص ہے۔ اس کی تکبیرات قرأت وغیرہ ہیں پھر امام و نائب امام
یا شریک جماعت کے کسی انسان کی بھی مداخلت خارج سے قبول نہیں چہ جائیکہ کسی
مادی آلہ کی! پھر ان برقی آلات ریڈیو وغیرہ سے جو آواز نکلتی ہے وہ بجنسہٖ انسانی آوا
ہوتی بھی تو نہیں۔ آواز نام ہے تموج ہوائی کا اور ان آلات کے سامنے بولنے والے کی
آواز معاً تبدیل ہو جاتی ہے گویا اصل آواز کو قلب ماہیت کی دو منزلوں سے گزرنا پڑ

ہے اس لئے وہ آواز آواز کے حکم میں نہیں بلکہ گونج (صدائے بازگشت) کے حکم میں داخل ہوجاتی ہے پس ان حالات میں نماز کے اندر اس آلہ کا استعمال کسی طرح جائز نہیں"۔

عوام ان باریک نکات کو کیا جانیں وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ علماء قدامت پسند لکیر کے فقیر ہیں یہ ہر جدید چیز کے استعمال سے روکتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہلِ تحقیق کی آواز نقار خانے میں طوطی کے بول کے مانند ہوجاتی ہے اور وہ چیز رایج ہوجاتی ہے جو پسند عوام ہوتی ہے۔

حضرت عارف کا وجود اس قسم کے مطالبات کی تکمیل میں بڑی حد تک حایل تھا ان کے پیش کردہ دلایل اور ان کی شخصیت نے علماء اور عوام کے ایک بڑے طبقہ کو ان کی اصابت رائے تسلیم کرنے پر مجبور کردیا تھا۔ لیکن ان کے وصال کے بعد ہی اس تصفیہ شدہ مسئلہ کو پھر تازہ کیا گیا۔ عیدگاہ میں آلۂ مکبر الصوت سے نماز عید ہونے کی جب افواہیں پھیلنی شروع ہوئیں تو سابقہ فیصلہ کا حوالہ دیتے ہوئے عیدگاہ میں ایک جماعت کی جانب سے پمفلٹ تقسیم کئے گئے اور اپیل کی گئی کہ نماز میں آلۂ مکبر الصوت کا استعمال نہ کیا جائے لیکن نہ اب حضرت عارف تھے اور نہ وہ خطیب تھے جنھیں ملازمت سے سبکدوشی گوارا تھی لیکن آلۂ مکبر الصوت سے نماز پڑھانا گوارا نہ تھا۔ جو لوگ اس کے خلاف تھے وہ بھی "فلیغیرہ بیدہٖ" نہیں بلکہ "ومن لم یستطع فبقلبہٖ" کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور انھوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ محلہ کی مساجد میں نماز عید ادا کرکے اپنی نماز کی حفاظت کرلیں چنانچہ حضرت علامہ ابوالوفا نے بھی جو پابندی سے عیدگاہ تشریف لایا کرتے تھے عیدگاہ میں نماز عید ترک کردی جب یہ صورتِ حال پیش آئی تو یہ طے کیا گیا کہ مکہ مسجد کی حد تک نماز میں مکبر الصوت کا استعمال نہ ہوگا تاکہ وہ لوگ جو اس کو نماز میں خلل انداز سمجھتے ہیں کثیر جماعت کے ثواب سے محروم نہ ہوں اور وہاں نماز پڑھ لیں۔

تھوڑی دیر کے لئے اس مسئلہ کی باریکیوں کو چھوڑیئے اور ایک دوسرے نقطۂ نظر سے غور کیجے کہ استفتِ قلبک ولو افتاک المفتون کی خود شارع نے اجازت دی ہے۔

عبادت کی روح خشوع خضوع ہے۔ اگر نماز صورت و شکل کے اعتبار سے نماز ہو لیکن اس میں خشوع و خضوع نہ ہو تو وہ ایک جسدِ بے رُوح ہے۔ میکروفون جب امام کے سامنے ہوتا ہے تو وہ اس کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے اور مقتدیوں کی بھی توجہ اسی جانب ہو جاتی ہے وقوموا للہ قانتین کی کیفیت پیدا ہونی نہیں پاتی اسی وجہ سے مساجد کی زینت و آرائش پر باہمی فخر و مباہات کو حضورِ اکرم نے آثارِ قیامت میں شمار فرمایا تھا۔ حضرت ابنِ عمرؓ کے حالات میں مرقوم ہے کہ کان ابن عمر لا یدع موضع الصلاۃ مصحف ولا سیف الا نزعه ولا کتابا الا محاه کہ نماز کی جگہ اگر مصحف یا تلوار یا کوئی تحریر ہوتی تو اس کو ہٹا دیتے۔ اسی بنا پر فقہا نے محراب مسجد اور قبلہ رُو دیوار پر نقش و نگار کو مکروہ بتایا اور یہ توجیہ کی کہ اس سے مُصلّی کا دل مشغول ہو جاتا ہے۔ آپ مکبر الصوت لگا کر نماز پڑھیے اور خود ہی اندازہ لگائیے کہ آپ کے خشوع و خضوع کا کیا حال ہے۔ اگر آپ نماز کو صرف قواعد پریڈ کا درجہ دینا چاہتے ہیں تو پھر کچھ کہنا نہیں ہے لیکن اگر آپ وہ نماز چاہتے ہیں جس کو "معراج المومنین" کہا گیا ہے تو پھر اس "مزمار الشیطان" کو نکال پھینکنا ہو گا۔

آلۂ مکبر الصوت کی طرح حضرت عارف "سماع بالمزامیر" کے بھی مخالف تھے۔ ابتدا آپ "عیسیٰ بدین خود و موسیٰ بدین خود" پر کاربند رہے کہ "وللناس فیما یعشقون مذاھب"۔ ایک دفعہ اس بارے میں گفتگو آئی تو ارشاد فرمایا کہ پہلے سماع کا اتنا زور و شور نہ تھا جو اب نظر آتا ہے اور پھر اُسی زمانے میں باوجود اختلاف رائے کے ایک دوسرے کے مشرب کا بہت پاس و لحاظ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت شاہ خاموشؒ کے عرس میں حضرت قبلہ تشریف لے جاتے تو وہ درگاہ میں فاتحہ کے لئے چلے جاتے جبکہ [illegible] مجلسِ سماع گرم رہتی۔ آپ کا خادم خیر الدین جا کر حضرت

سید محمد شاہ صاحبؒ کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دیتا حضرت موصوف فوراً مجلس سماع سے اُٹھ جاتے۔ حضرت قبلہ سے آکر ملاقات کرتے اور پھر تناولِ طعام کے لئے ساتھ لے جاتے اور واپسی تک آپ ہی کے ساتھ رہتے۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت عارف نے مزید فرمایا کہ بزرگوں کا یہی عمل تھا چنانچہ جب حضرت امام شافعیؒ حضرت امام اعظمؒ کی مزار پہ گئے تو وضو اور نماز دونوں میں حضرت امامِ اعظمؒ کا طریقہ اختیار کیا اور جب پوچھا گیا تو فرمایا تعظیماً لصاحب ھٰذا القبر لیکن اب اس کے برخلاف ہو رہا ہے اور اب تو سلسلۂ قادریہ سے نسبت رکھنے والے بھی محض رونق مجلس اور شہرت عام کی خاطر اپنے مشرب کے خلاف ڈھول پیٹ رہے ہیں۔

مجلس قادری کی جب بنا پڑی تھی تو یہ طے ہوا تھا کہ اس مجلس میں مزامیر کا استعمال نہ ہوگا چنانچہ اس کے دستور العمل کی دفعہ ۱۱ میں اس کی صراحت کر دی گئی تھی لیکن اس سے بچنے کے لئے بعض نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ عصر سے مغرب تک نعت و منقبت کا سلسلہ رکھتے اور مغرب کے بعد سماع بالمزامیر کا لطف اُٹھاتے۔ پوچھا جاتا تو یہ کہہ دیتے کہ اس مجلس سماع کا تعلق مجلس قادری سے نہیں ہے یہ بھی ہونے لگا کہ باہر سے کوئی صاحبزادے تشریف لاتے تو ان کو مجلس سماع میں مدعو کیا جاتا تاکہ ان کی شرکت سے عوام پر یہ تاثر قایم کیا جائے کہ اگر یہ چیز ناجائز ہوتی تو یہ مجلسِ سماع میں شریک نہ ہوتے چنانچہ نقیب الاشراف حماہ حضرت سید محمد مرتضیٰ جیلانی۔ حضرت سید علاءالدین جیلانی اور حضرت سید نجم الدین جیلانی کی تشریف آوری کے مواقع پر یہی عمل ہوا۔

بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچی کہ اباحت سماع سے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ان میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ سماع بالمزامیر کو نعوذ باللہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کے صحابہؓ، حضرت امامِ اعظمؒ اور سید العارفین حضرت غوث اعظمؓ نے سماعت فرمایا تھا حاشا و کلا۔ ایک مضمون نگار نے یہاں تک لکھ دیا کہ گھر میں

ستار سارنگ طبلہ وغیرہ رکھنا سنّت عائشہؓ ہے اور پھر چونکہ "غنیۃ الطالبین" میں حضور غوثیت مآبؓ کا یہ کھلا فتویٰ موجود ہے کہ

"ویستحب الاجابۃ الی ولیمۃ العرس ھذا الذی ذکرنا اذا کان خالیاً عن المنکر فان حضرۃ منکر کالطبل والمزمار والعود والنّای والتسریق والتبابۃ والرّباب والمغانی والطنابیر والجعرات الّذی یلعب بھا الترک لایجلس ھناک لانّ جمیع ذالک محرّم واما الدف فیجوز استعمالہ فی النکاح"

جس کا حوالہ دیتے ہوئے حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے رسالہ "حق السماع" میں حرمت بالمزامیر کا فتویٰ دیا ہے تو کہا جانے لگا کہ غنیۃ الطالبین حضور کی تصنیف ہی نہیں ہے بلکہ کسی اور کی تصنیف ہے جو حضور سے منسوب کر دی گئی ہے۔ بعض لوگ جن سے اتنی جسارت نہ ہوسکی وہ عبارت صدر کی یہ تاویل کرنے لگے کہ مزامیر کے ساتھ حضرت نے ان اشعار کو منع فرمایا ہے جو حمد و نعت سے خالی اور فحش مضامین پر مشتمل ہوں اگر حمد و نعت کے اشعار مزامیر کے ساتھ سنائے جائیں تو قباحت نہیں ہے لیکن اس تاویل کے وقت اُنھیں یہ خیال نہ رہا کہ حضور نے آگے یہ وضاحت فرمادی ہے کہ

فماکان منھا من انشاء الاشعار المُتّعربۃ من الملاھی علی ضربین مباح ومحظور فالمباح مالا سخف فیہ والمحظور ماکان فیہ سخف فامّا ماینقسم الی الملاھی محظور سواء خلا من السخف او قارن السخف الّا انہ اذا قارنہ سخف حصل الحظر لعلّتین۔ یعنے وہ اشعار جو بلا مزامیر پڑھے جائیں ان کے دو قسم ہیں (۱) مباح (۲) ممنوع۔ ان اشعار کا پڑھنا مباح ہے جو سُبکی اور کم ظرفی ویے عقلی سے خالی ہوں یعنے بیہودہ اشعار نہ ہوں لیکن ان اشعار کا پڑھنا ممنوع ہے جن میں سُبکی کم ظرفی وبے عقلی ہو یعنے بیہودہ اشعار ہوں لیکن وہ اشعار جن کے ساتھ ساز ہو تو وہ ممنوع ہیں ان اشعار میں بیہودگی ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جب مزامیر

کے ساتھ بیہودہ اشعار ہوں تو ان کی ممانعت دو علتوں کی وجہ سے ہوگی ایک علت اشعار کی بیہودگی اور دوسری مزامیر۔

سماع بالمزامیر کی اباحت کے ثبوت میں بعض نے یہ بھی جسارت کی کہ ایک قصہ گھڑ دیا کہ حضرت خواجہ اعظم سید معین الدین چشتیؒ کی خاطر حضور غوث اعظمؓ نے مجلس سماع منعقد فرمائی تھی اور عوارف المعارف کا حوالہ دے دیا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف منیف ہے۔ مولانا سید عبدالکریم بغدادی نے بھی حضور غوث پاکؓ کی جو سیرت لکھی اس میں بحوالہ عوارف المعارف یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔ وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ در اصل انھوں نے کسی رسالہ میں بحوالۂ عوارف المعارف یہ روایت دیکھی تھی۔ الغرض ایک دفعہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے عوارف المعارف پیش کرکے ان سے اس واقعہ کی نشاندہی کے لئے کہا باوصف تلاش کے یہ روایت نہ مل سکی اس کے برخلاف اس حضرت شیخ نے یہ روایت تحریر فرمائی ہے کہ

عن الحسن انه قال لیس الدف عن سنّة المسلمین والذی نقل عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه سمع الشعر لا یدلّ علی اباحة الغناء فانّ الشعر کلامٌ منظوم وغیرهٗ کلامٌ منثور فحسنه حسنٌ وقبیحهٗ قبیح وانّما یصیر غناء بالالحان حضرت حسن فرماتے ہیں کہ دف مسلمانوں کی سُنّت نہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے اشعار سماعت فرمایا تو اس سے غنا کی اباحت نہیں نکلتی۔

آگے چل کر حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں کہ

اِن اَنصَفَ المنصِف وتفکّر فی اجتماع اهل الزمان وقعود المغنّی بدفّه والمشبّب بشبابته وتصوّر فی نفسه هل وقع مثل اهل الجلوس الهیئة بحضرت رسول اللہ وهل استحضروا قوالا وقعد وا مجتمعین لاستماعه لاشك بانّهٗ ینکر من حال رسول اللہ واصحابه ولو کان فی ذالك فضیلة

تطلب ما اهملوها فمن یشیر بانّہ فضیلۃ تطلب یجتمع لھا لم یحظ بذوق معرفۃ احوال رسول اللہ واصحابہ والتابعین واسترح فی استحسان بعض المتاخرین وکثیرا ما یغلط النّاس فی ھذا وکلما احتج علیھم بالسلف الماضین یحتجون بالمتاخرین وکان السلف اقرب الی عھد رسول اللہ و ھدیھم اشبہ بھدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

یعنے اگر کوئی انصاف کرنے والا انصاف کرے اور اس زمانے کے لوگوں کے اجتماع پر غور کرے کہ جس طرح گانے والا اپنے دف کے ساتھ اور نے نواز اپنی نے کے ساتھ بیٹھتا ہے کیا اس ہیئت کے ساتھ کبھی آنحضرتؐ کے سامنے بیٹھا گیا اور کیا صحابہ نے قوالوں کو بلاکر اس قسم کے جلسہ منعقد کئے تو وہ اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ نہ حضورؐ نے ایسا کیا نہ صحابہ نے اور اگر اس میں کچھ فضیلت ہوتی تو وہ اس کو کبھی نہ چھوڑتے لہذا اب جو کوئی کہتا ہے کہ یہ بڑی فضیلت کی بات ہے تو یہ کہنا ہوگا کہ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے احوال کی معرفت اور ذوق سے حصہ نہیں ملا۔ اور یہ جو لوگ متاخرین کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں تو انھیں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سلف کا زمانہ آنحضرت سے بہت قریب تھا اور ان کا طریقہ آنحضرتؐ کے طریقہ سے زیادہ مشابہ تھا لہذا متاخرین کے عمل کو بطور حجت پیش کرنا غلطی ہے۔" آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح حضرت شیخ نے مسئلہ کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں جس سے حضورِ اکرمؐ اور آپ کے صحابہ وتابعین کے سماع بالمزامیر سننے کا دعویٰ باد رہوا جاتا ہے۔ اب رہی وہ روایات جن میں بعض بزرگوں کا سماع سننا مذکور ہے تو ان کی نسبت حضرت عارفؒ کا کہنا تھا کہ یا تو وہ سماع بلا مزامیر سنتے تھے یا پھر مغلوب الحال تھے ان دونوں صورتوں سے سماع کا جواز نہیں نکلتا اس خصوص میں وہ اخبار الاخیار صـ۹۲ کا حوالہ دیا کرتے تھے جس میں تحریر ہے کہ ؎ روزے از مریدان شیخ نظام الدین اولیا مجلسے داشتند واز دف زناں سرودے شنیدند۔ شیخ نصیر الدین محمود

در مجلس بود برخاست تا برآید یاراں تکلیف نشستن کردند۔ گفت خلاف سنت است گفتند از سماع منکر شدی و از مشرب پیر برگشتی۔ گفت حجت نمی شود دلیل از کتاب وحدیث می باید۔ بعضے از عرض گویاں ایں سخن بخدمت شیخ رسانیدند کہ شیخ محمود چنیں گوید۔ شیخ را صدق معاملۂ او معلوم بود فرمود راست می گوید حق آنست کہ او میگوید

یہ شیخ نصیر الدین محمود حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے پیر طریقت تھے۔ حضرت سید شاہ راجو قتال حسینیؒ بھی جو حضرت خواجۂ دکن کے پدر بزرگوار تھے یہی مشرب رکھتے تھے چنانچہ اپنے صاحبزادے کے لئے انھوں نے جو کتاب تحفۃ النصائح تحریر فرمائی ہے اس میں اُن کی یہ نصیحت ملتی ہے کہ ؎

مطلق بداں حُرمت غنا مشنو ملاہی ہیچ گہ — طنبور و بربط چنگ و نے جملہ حرام ست در خبر

در طبل ہم حرمت بداں اِلّا کہ طبل غازیاں — دف ہم مزن در ہیچ جا جُز در عروسی اے پسر

فوائد الفواد میں ہے کہ "حضرت سلطان المشائخ فرمودند کہ چند چیز موجود شود سماع آں گاہ شنود و آں چیست مسمع است و مسموع و مستمع و آلۂ سماع است فرمودند مسمع گوینده است و فرمودند کہ مرد تمام باشد کودک و عورت نباشد مسموع آنچہ میگوید باید کہ ہزل و فحش نباشد امّا مستمع آنکہ می شنود باید کہ بحق شنود و مملو باشد از یادِ حق امّا آلۂ سماع و آں مزامیر ست چوں چنگ و رباب و مثل آں باید کہ درمیاں نباشد ایں چنیں سماع حلال باشد۔

حضرت خواجہ گیسو درازؒ کے صندل کے روز جو بند سماع ہوتا ہے اس سے اس سماع کی ایک جھلک نظر آتی ہے جو سلسلۂ چشتیہ کے شیوخ سُنا کرتے تھے اور اس سے ان کے سماع بالمزامیر سُننے کی الزام تراشی کی تردید ہو جاتی ہے۔

بہر حال جب پانی سر سے اونچا ہو گیا قرآن خوانی کی مجلسیں سُنسان اور ویران اور سماع کی مجلسیں بارونق ہو گئیں اور پھر بزرگوں کے اسماء جواز سماع کے لئے لئے جانے

لگے تو آپ سے ضبط نہ ہو سکا چنانچہ ایک تحقیقاتی مقالہ اس موضوع پر قلمبند فر
شایع کیا۔ بعض لوگ یہ کہہ کر پہلو تہی کر جاتے ہیں کہ یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے لیکن م
اور مخالف دلایل سے کچھ دیر کے لیے صرفِ نظر کر کے دیکھنا چاہیے کہ کیا تقوے کا ا
نہیں کہ دَعْ ما یُرِیبُکَ الٰی ما لَا یُرِیبُکَ یعنے مشتبہ چیز ترک کی جائے ا
چیز اختیار کی جائے جو شک و شبہ سے پاک و صاف اور مختلف فیہ نہ ہو۔ اگر
نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ دیکھا جائے تو پھر ترکِ سماع اقرب للتقویٰ ہے اور یہی ح
عارفؔ کا مسلک اور فتویٰ ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت عارفؔ اُمورِ شرعی کی سختی سے نگرانی فرماتے اور ر
احتیاط اور تقوے کا پہلو پیشِ نظر رکھتے تھے پس اس اعتبار سے وہ " اکرمُ الا
تھے کہ اِنَّ اکرمُکم عند اللہ اتقاکم۔

دستارِ فضیلت ہو یا لباسِ زُہد و تقویٰ، خرقۂ خلافت و طریقت ہو یا عب
عزیمت، ہر پوشش ان کے جسم پر ٹھیک اُترتی تھی۔ جامۂ بودکہ بر قامت او دوخ
اور پھر اس خلعتِ فاخرہ کا حُسن، عشق و محبت اور ربط و نسبت کے طرۂ امتیاز
دوبالا ہو گیا تھا۔ بادۂ عشق سے نہ صرف وہ سرشار و مخمور رہتے بلکہ یہی مئے وہ دو
کو بھی پلا پلا کر مست بنا تے تھے۔ دل اور رُوح کی ساری بیماریوں کے لئے ان
پاس یہی ایک نسخۂ شفا تھا جس سے وہ شکوک و ارتیاب، اوہام و انکار
عوارض کا علاج کرتے تھے بمصداق ؎

یکے دوا است بدارالشفاء میکدہ ہا
ز ہر مرض کہ بنالا کسے شراب دہید

اور جب ۲۵ رذی قعدہ ۱۳۷۹ھ کو ؎

وہ دوکاں اپنی اُٹھا کر چل دئے
بیچتے تھے جو دوائے دردِ دل

تو کسی نے کہا کہ ؎ "آں قدح بشکست وآں ساقی نماند" کسی نے کہا کہ "ان کی وفات سے زمین سے اللہ کی رحمت اُٹھ گئی" کوئی حسرت بھرے لہجہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ "اب ایسی مقدس صورتوں کے لئے آنکھیں ترستی رہیں گی ؎ قرنہا باید کہ یک صاحب دلے پیدا شود"۔ کسی کو یہ کہتے ہوئے سُنا گیا کہ "سلسلۂ قادریہ کا یہ ایک ایسا آفتاب تھا کہ جس کی ضیا پاشی سے سارے وابستگان سلسلہ فیض یاب ہو رہے تھے۔ آہ افسوس کہ اس مقدس ہستی کی کوئی نظیر نہ اب سیرتاً ہے نہ صورتاً اور کوئی یہ سوال کر رہا تھا کہ "وہ زہد و تقویٰ وہ علم و ریاضت اب ہم کہاں ڈھونڈیں ؎ وہ دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے" اور کوئی اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے کر یہ کہہ رہا تھا کہ ؎ صدیوں میں خدا کا ایسا بندہ پیدا ہوتا ہے۔ اب ایسے پکے قادری اور خالص اور پکے حنفی چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو بھی نہ ملیں گے" اور کئی قلوب اس احساس سے غمگین تھے کہ ؎ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمْ ۔ الحاصل

وماموتُہٗ کالموتِ نفسٍ وَّاحِدٍ
ولٰکنّہٗ بُنیانُ قومٍ تہدّمَ

ابوالفضل سیّد محمود
مارچ سنہ ۱۹۶۷ء

ڈیوڑھی حضرت مولوی سیّد محمود صاحبؒ
اندرون فتح دروازہ

شیخ الشیوخ

از

حضرت علامہ مولانا ابوالوفا سابق شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ

حضرت علامہ مولانا سید وحید بادشاہ صاحب قادری (جو کہ حضرت علامہ عارف حافظ حدیث شیخ عبدالرزاق قادری جیلانی بغدادی و حضرت شاہ عبداللطیف لاابالی و حضرت سید شاہ موسیٰ قادری کے خاندان کے چشم و چراغ تھے) کی ولادت باسعادت شعبان کی ۱۵ ر شب ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔ یہ وہ رات ہے جس کے قیام اور اس کے دن روزہ رکھنے کی ترغیب حدیث شریف میں آئی ہے۔ کتب حدیث آپ نے حضرت مولانا منصور علی خاں (پدر نواب مقصود جنگ) سے پڑھی۔ علم تصوف و ذکر و شغل و مجاہدہ کی تکمیل آپ نے اپنے جد امجد (حضرت افتخار الاکابر و الاکارم سید شاہ مرتضیٰ صاحب قادری مہاجر مدنی) سے فرمائی (جن سے آپ نے ۱۷ ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ کو بیعت فرمائی) آپ کی سب سے زیادہ فضیلت یہ ہے کہ جیسے آپ نسبتاً قادری تھے ویسے طریقہ قادریہ بھی اپنے آباد اجداد سے قرناً بعد قرنٍ آپ کو پہونچا تمام عمر آپ نے عبادت، مجاہدہ و زہد و اعمال صالحہ اور خدمت علم میں گزاری۔ اعمال صالحہ اور مجاہدہ کا نور آپ کے چہرۂ مبارک سے دائماً نمایاں رہا جس کا عالم شاہد ہے۔ وفات کے بعد بھی چہرۂ مبارک چاند کی طرح چمکتا رہا۔ علمی تحقیقات میں آپ کی ساری عمر گزری۔ ہمیشہ اپنے کتب خانہ سے غیر منفک رہے اور حق گوئی ہمیشہ آپ کا شعار رہا۔ بلا لوم لائم زبانِ دُرفشاں اور قلمِ گوہر فشاں پر ہمیشہ حق جاری رہتا اور اس کے لئے مردِ مجاہد رہے۔ تہذیب اور اخلاق اور ادب میں یگانۂ روزگار رہے کبھی نا ملائم لفظ زبان پر نہیں آیا۔ اولیائے کرام اور صالحین کا ذکر اس انداز سے فرماتے کہ بڑا سے بڑا ادیب اس ادا سے عاجز ہوتا۔ آپ کے مواعظِ حسنہ سے ہمیشہ عامۃ الناس محظوظ ہوتے رہے۔ ربیع الاول کے بارہ دنوں اور ربیع الآخر

کے گیارہ دنوں میں سیرتِ مبارک پر مواعظ کا سلسلہ رہا باوجود ضعف اور علالت کے یہ مواعظ
برابر جاری رہے۔ بیماری کی وجہ سے اگرچہ آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے لیکن اس حالت
میں بھی آپ کی عبادت اور ذکر و شغل میں کوئی فرق نہ آیا نہ آپ کے علمی مشاغل کم ہوئے۔ ماہ ذی قعدہ
کے ۱۳۱۲ھ میں آپ کو پیچش ہو گئی جو پندرہ سولہ روز تک رہی۔ اجابتوں کی کثرت سے آپ بہت
نحیف اور عاجز ہو گئے مگر فرائض کی ادائی میں اس حالت میں بھی لیٹے لیٹے مشغول رہے۔ ۲۵ ہر
ذی قعدہ یوم یکشنبہ گیارہ بج کر پینتالیس پر اس بیماری سے آپ واصل بحق ہو گئے اور شہادت
کا رتبہ پایا۔ حدیث شریف میں آیا ہے المبطون شہید یعنے اجابتوں کی بیماری سے وفات
پانے والا شہید ہے۔ افسوس کہ یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون
ولد فی لیلۃ مبارکۃ وعاش سعیداً ومات شہیداً۔ رحمۃ اللہ ورضی عنہ
مع الابرار۔ حدیث شریف میں آیا ہے جس کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں کہ ۲۵ ہر
ذی قعدہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس کعبہ کو نازل فرمایا۔ یہ پہلی رحمت
تھی جو نازل ہوئی۔ جو شخص اس دن روزہ رکھے تو اس کے ستر سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا
ایں سعادت بزور بازو نیست۔ ایسی مبارک رات میں پیدا ہوئے اور ایسے سعید دن میں
واصل بحق ہوئے۔ بوقتِ انتقال آپ کی عمر ۷۷ سال ۳ ماہ دس دن تھی۔ افسوس کہ اب
ایسی ہستیوں کی پیدائش کی کم توقع ہے ؎

قرنہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

صدیوں میں خدا کا ایسا بندہ پیدا ہوتا ہے اب ایسے پکے قادری اور خالص اور پکے حنفی چراغ
لے کر ڈھونڈیں گے تو بھی نہیں ملیں گے۔ افسوس کہ ان کی وفات سے زمین سے اللہ کی رحمت اٹھ گئی۔
اللھم املأ قبرہٗ نوراً وسروراً وبرّد ضریحہٗ وجازہٗ عنّا خیر الجزاء ولا تفتنا بعدہٗ۔
آمین

حضرت عارف کے وصال پر اکابرین ملت کے تاثرات

۱- حیدرآباد کے خاندانِ غوثیہ کے فردِ فرید قطبِ وقت آج ۲۵ ر ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ کو راہی عالم بقا ہوئے۔

ادخلہ اللّٰہ فی جنۃ الفردوس (علامہ مفتی سید محمود صاحب قادری سابق شیخ الجامعہ نظامیہ)

۲- حضرت مرحوم اعلی اللّٰہ مقامہٗ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم کے مصداق تھے۔ جعل اللّٰہ

مثواہٗ جنۃ الفردوس (مولانا حکیم محمد حسین صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ)

۳- موتُ العالِم موتُ العالَم۔ موتُ العالِم ثلمۃٌ فی الاسلام۔ نور اللّٰہ ضریحہ

(مولانا مفتی محمد رحیم الدین صاحب سابق شیخ جامعہ نظامیہ)

۴- سلسلۂ قادریہ کا یہ ایک ایسا آفتاب تھا کہ جس کی ضیا پاشی سے سارے وابستگانِ سلسلہ فیض یاب ہو رہے تھے آہ افسوس کہ اس مقدس ہستی کی کوئی نظیر نہ اب میسر آتا ہے اور نہ صورتا۔

(مولانا سید محمد فرید بادشاہ صاحب قادری سجادہ نشین درگاہ گلشن باغ)

۵- اب ایسی مقدس صورتوں کے لئے آنکھیں ترستی رہیں گی ؎

قرنہا باید کہ یک صاحبدلے پیدا شود

(مولانا سید شیخن احمد صاحب شطاری کامل)

۶- آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

(ابوالفضل مولوی سید محمود صاحب ناظم عدالت)

۷- خاندانِ موسوی کا درخشاں آفتاب غروب ہوگیا۔

(پروفیسر مولوی سید شاہ عبدالرزاق صاحب قادری جعفر)

۸- حضرت مرحوم علم و عمل صبر و شکر صورت و سیرت حسب و نسب میں ہر طرح ممتاز اور سب خوبیوں کے حامل تھے۔ افسوس کہ ہم سے جدا ہو گئے۔ وہ تو اچھے گئے مگر ہم ان کی صحبت سے محروم ہو گئے۔

(مولانا سید شاہ قطب الدین حسینی صاحب چشتی صابری سجادۂ درگاہ حضرت شاہ خاموش)

۹۔ وہ زہد وتقویٰ وہ علم و ریاضت اب ہم کہاں ڈھونڈیں ؎
وہ دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

(مولانا سید شاہ یحییٰ عالم صاحب قادری سجادہ نشین درگاہ موسویہ)

۱۰۔ حضرت مرحوم نہ صرف عالم باعمل بلکہ فقیر تھے۔ ایسی ہستی اب ملنا دشوار ہے۔
(مولانا سید شاہ محی الدین صاحب قادری سجادہ درگاہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ)

۱۱۔ وحید العصر حضرت سید وحید بادشاہ صاحب قادری عارف فی نفسہٖ عارفِ حق تھے۔ اپنے وقت کے بے بدل صوفی اور ممتاز شیوخ سے تھے اکابرینِ ملت میں آپ کا نام سرِفہرست تھا آپ خاندانِ غوثیت کے چشم وچراغ اور بزمِ ہدایت کے آفتاب تھے۔ اسلاف کے آپ سچے خلف متقدمین اولیاء کے کامل نمونہ تھے حُسنِ صورت وحُسنِ سیرت کے علاوہ حسنی اور حُسینی شانِ سیادت آپ میں جلوہ گر تھی۔

(مولانا سید عبدالکریم حسینی القادری البغدادی)

۱۲۔ حضرت سید وحید بادشاہ صاحب قادری الموسوی حیدرآباد کے ممتاز علماء میں سے تھے جن کا نسبی تعلق حضور غوثِ پاکؓ سے تھا اور حیدرآباد بجا طور پر آپ پر فخر کرتا تھا مجلس علمائے دکن کو ۲۷ سال تک آپ کا تعاونِ عمل رہا۔ مجلسِ علماء حضرت کی جدائی پر انتہائی محزون ومغموم ہے۔

(مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب معتمد مجلس علمائے دکن۔ ۲۸ مئی ۱۹۶۰ء)

(اقتباسات)

خانوادۂ قادری کا ایک چراغ گل ہوگیا

علامہ وحید پاشا الموسوی کا وصال: حیدرآباد ۲۳ مئی ۱۹۶۰ء:۔ یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سُنی جائے گی کہ علامہ حضرت الحاج مولانا سید شاہ وحید بادشاہ صاحب قادری الموسوی نے ۲۲ مئی ۱۹۶۰ء م ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا حضرت ممدوح جہاں ایک زبردست محدث و فقیہ تھے اس کے ساتھ زہد و تقویٰ و ریاضت میں اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت قطب الاقطاب سیدنا غوث اعظمؓ کے خاندان میں حیدرآباد میں آپ ایک ممتاز شخصیت کے حامل تھے تقریباً دو ہفتہ کی علالت کے بعد خانوادۂ قادریہ کا یہ آفتاب غروب ہوگیا خدائے تعالیٰ حضرت کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ (رہنمائے دکن مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۶۰ء)

خبر و نظر

علامہ وحید پاشا کا سانحۂ رحلت:۔ گزشتہ آٹھ دس سال کے دوران میں حیدرآباد میں جو علما و فضلا یکے بعد دیگرے ہمارے درمیان سے اُٹھتے چلے جارہے ہیں اس سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ حیدرآباد اہلِ علم و فضل سے خالی ہوتا جارہا ہے اور ان کی جگہ کسی سے پُر ہوتی نظر نہیں آتی ہے۔ حضرت علامہ الحاج مولانا سید وحید پاشاہ صاحب قادری الموسوی حیدرآباد کے جید اور صاحب ریاضت علماء میں شمار ہوتے تھے جن کے انتقال سے اہلِ علم میں ایک بڑی کمی ہوگئی۔ علم و فضل کے ساتھ آپ میں حسب و نسب کی شرافت بھی جمع تھی جس کے باعث آپ اپنے اقران و امثال میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ علوم حدیث و فقہ میں آپ کو بڑا تبحر حاصل تھا اور ساتھ ہی زہد و تقویٰ میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ شہرت پسندی، دربار داری اور دُنیا سازی سے آپ کوسوں دُور تھے اور ہر حال میں گوشہ نشینی کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ علمی مسائل میں غامض نظر رکھتے تھے۔۔۔۔ جب بھی کوئی شرعی مسئلہ مابہ النزاع ہوجاتا تو اس بارے میں بلا خوف لومۃ لائم صحیح صورتِ حال پیش کر

رویتِ ہلال کے تعلق سے آج سے کوئی سات آٹھ سال پہلے جو اختلافات نام نہاد علماء نے پیدا کئے تھے انھیں اپنے علم اور دلایلِ شرعی سے رفع کیا اسی طرح دو سال پہلے نماز میں آلۂ مکبر الصوت کے استعمال کے بارے میں دو رائیں ہوئیں اور بعض تجدد پسند طبائع احکامِ شرع کے فہم و تسلیم میں موشگافیاں کرنے لگے تو اس وقت علامہ مرحوم نے بلدہ کے ممتاز علماء کو جمع کرکے اصل مسئلہ کو واضح فرمایا اور آلۂ مکبر الصوت کے جواز کے قائلین کو دلایل قاہرہ سے ساکت کردیا اور اس خصوص میں جو حکم شرع کتاب وسنت اور اجماع و قیاس سے فقہائے متقدمین کی اتباع میں قابلِ تسلیم تھا اس کو ظاہر کردیا۔ ہر زمانے میں ایسے ہی علمائے حق نے شریعت غرا کی حمایت کی و نصرت کرکے عوام کو صحیح راستہ دکھایا ہے۔

اس دارِ فانی سے اگرچہ ہر کس و ناکس کو کوچ کرنا ہے لیکن رنج اس بات کا ہے کہ علمائے حق کے اٹھ جانے سے عوام دین کی صحیح رہنمائی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ موت العالم موت العالم دراصل انہی علمائے حق کی رحلت پر صادق آتا ہے (رہنمائے دکن مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۶۰ء)

قرارداد لطیفیہ عربی کالج:۔ یہ جلسہ حضرت سید شاہ وحید پاشاہ صاحب قادری الموسوی عارف کی وفات حسرت آیات پر اپنے عمیق جذبات رنج و الم کا اظہار کرتا ہے۔ ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ ایسے فقید المثال علماء سے ملک محروم ہوتا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

(رہنمائے دکن مورخہ ۲۴ مئی سنہ ۱۹۶۰ء)

صدر مجلس علمائے دکن کا پریس نوٹ:۔ حضرت مولانا الحاج سید السادات سید شاہ وحید پادشاہ صاحب قادری الموسوی (معزز رکن صدر مجلس علمائے دکن) کا انتقال پُرملال عالم اسلامی کے لئے عموماً اور ملتِ اسلامیہ دکن کے لئے خصوصاً ایک سانحۂ عظیم ہے۔

(رہنمائے دکن ۲۶ مئی سنہ ۱۹۶۰ء)

تواریخ رحلت

واعظ و علامہ و شیخ و خطیب ۔ مفتخر گردید با وصل حبیب
(۱)
سالِ رحلت گفت محمودِ حزیں ۔ آں وحید العصر شد جنت نصیب

۱۳۷۹ھ

(ابوالفضل سید محمود محمودؔ)

آہ رحلت پائے علامہ وحید القادری ۔ بالیقیں یہ بات ہر اک کے لئے ماتم کی ہے
(۲)
سالِ رحلت آپ کا ہو اس سے بڑھ کر کیا رقم ۔ موت اک عالم کی سچ ہے موت اک عالم کی ہے

۱۳۷۹ھ

دیگر

ہے اس عالم کی موت پر افسوس ۔ آفتاب ایک علم کا ڈوبا
(۳)
دنیا کس انتہائے رنج سے آج ۔ کہتی ہے علم کا چراغ بجھا

۱۳۷۹ھ

دیگر

وحید القادری الموسوی بُد عارف کامل ۔ تعالی اللہ او را گشت قرب آں وحید حاصل
(۴)
چہ خوش گفتہ ولی القادری ایں مصرع سالش ۔ وحید القادری عارف وحید العصر حق واصل

۱۳۷۹ھ

(ابوالحسنات مولوی سید ولی اللہ صاحب قادری ولیؔ)

داغِ فرقت سب کو دے جاتے ہیں سارے باکمال ۔ عارفانِ بے مثال و عالمانِ خوش خصال
(۵)
ہے وحید عصر کی تاریخ رحلت حسبِ ذیل ۔ تخرجہ سے ایک کے نکلے گا سالِ انتقال

موت العالِم الاجل الوحید ملوت العالَم ۱۳۷۹ھ

ولہ

پروانۂ قضا ز خدائے قدیر یافت ۔ قصرے بخلد عاشقِ پیرانِ پیر یافت
(۶)
از سر بقا برفت و سروشے بگفت سال ۔ سید وحید پادشہِ وصل حبیب یافت

۱۳۷۹ھ

(ابوالقاسم مولوی سید مہدی حسن صاحب قادری مہدیؔ)

(۷)

"پیر طریقت سید وحید القادری" (مرزا بدرالدین بیگ صاحب شمسؔ)

حِصّۂ دُوُم

کلامِ عارف

یعنی

کلام فصاحت التیام وحید العصر شیخ المشائخ حضرت سید وحید باد شاہ صاحب قادری عارف

مُرَتَّبہ

ابوالفضل محمود سیّد محمود قادری

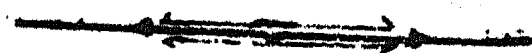
گوش کن گوش کلام عارف
باخبر شو ز پیام عارف
جرعه‌ای گیر ز میخانهٔ او
می عشقست بجام عارف

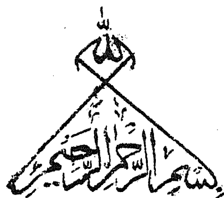
مصطفیٰ را حق بدان و حق بس
مصطفیٰ بُد نورِ ربّ العالمین (رومی)



بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبیست (اقبال)

بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ
كَشَفَ الدُّجٰى بِجَمَالِهٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِهٖ
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَآلِهٖ





ت سے ہے دل میں مرے ارمانِ مدینہ
دکھلا دے خدا جلد گلستانِ مدینہ

ت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھوں
یارب مجھے مل جائے جو بُستانِ مدینہ

یں ہیں وہاں اور یہاں خُسروِ خوباں
فردوس سے بڑھ کر ہے گُلستانِ مدینہ

روں کی تمنا ہے نہ کچھ خواہشِ طوبیٰ
نظروں میں ہے اک سروِ خرامانِ مدینہ

وف ہے توقیرِ مکاں ذاتِ مکیں پر
سُلطانِ مدینہ سے بڑھی شانِ مدینہ

ہوش ہیں سب پی کے مئے ساقیٔ کوثر
دارین سے بے فکر ہیں مستانِ مدینہ

وب کی محبوب ہُوا کرتی ہے ہر شئے
کیوں کر نہ دل و جان ہوں قُربانِ مدینہ

عارف یہ سمائی ہے سرِ سودا زدہ میں
ہوں میرے قدم اور بیابانِ مدینہ

تڑپ رہا ہوں دکن میں مدینے جانے کو
قفس میں بیٹھ کے روتا ہوں آشیانے کو

دلِ حزیں کو تسلّی یہ دے رہا ہوں میں
نسیمِ لُطف مدینے سے اب ہے آنے کو

بہت زمانے سے یہ میں نے دل میں ٹھانی ہے
درِ نبیؐ پہ چلوں قسمت آزمانے کو

خُدا گواہ بجز ذکرِ پاکِ حضرت کے
جی چاہتا ہے ہر اک چیز بھُول جانے کو

بہت چھپائے رہے اپنا حال ہم عارفؔ
نہ جانے کیسے خبر ہو گئی زمانے کو

سردارِ جمیع انبیا ہو — محبوبِ خُدا ہو مُصطفےٰؐ ہو
مجھ سے کیا وصف آپ کا ہو — ممدوحِ جنابِ کبریا ہو
ہے آپ کی مرضی حق کی مرضی — ہوتا ہے وہی جو آپ چاہو
ہوتا ہے وہی خُدا کا منشا — منشا جیسا حُضور کا ہو
ہے منزل اس کے ٹھوکروں میں — حضرت سا جس کا رہنما ہو
یاد آپ کی آپ کا تصوّر — دل سے نہ مرے کبھی جُدا ہو
در اصل اسی کی زندگی ہے — جو آپ کی یاد میں جیسا ہو

عارفؔ بیمارِ مُصطفےٰؐ کو
ہرگز نہ خُدا کرے شفا ہو

رسولؐ اللہ اس عالم میں کیا با احتشام آئے
کہ حضرت کے جِلو میں انبیا سب خوش خرام آئے

تقاضائے عقیدت ہے کہ جب حضرت کا نام آئے
خلوصِ قلب سے لب پر دُرود آئے سلام آئے

نرالی ہے رسُولِ ہاشمی کی شانِ محبوبی
گرُوہِ انبیا کے شاہِ دیںؐ بن کر امام آئے

ستارے بن کے چمکے انبیا اپنے زمانے میں
جب آئی باری شہؐ کی بن کے یہ ماہِ تمام آئے

سرِ محشر جو پہنچے شہؐ پہن کر تاج رحمت کا
ہُوا غل شافعِ روزِ جزا خیر الانام آئے

زہے وہ معصیت جس کی خبر لیں شافعِ محشر
خوشا وہ تشنگی جس کے لئے کوثر کا جام آئے

مِرے اعمال ہی کیا تھے قیامت میں جو کام آتے
بہے تھے عشقِ حضرت میں جو آنسو بس وہ کام آئے

کرم سے اپنے عارف کو بلائیں گر مدینے میں
تو پھر کہتا ہُوا لبیک شاہا یہ غلام آئے

تخمیس

بر کلام جانفزائے حضرت شاہ خاموش رحمۃ اللہ علیہ

کیا کمی ہے مرے سلطان ترے کوچہ میں — خوب ہے فضل کا سامان ترے کوچہ میں
ہے عجب طرح کا فیضان ترے کوچہ میں — فیض بخشی کی ہے کیا شان ترے کوچہ میں
مور بن جائے سلیمان ترے کوچہ میں

کوئی جلوے میں ہے حیران ترے کوچہ میں — وجد میں ہے کوئی غلطان ترے کوچہ میں
نذر کرتا ہے کوئی جان ترے کوچہ میں — روح تو رہتی ہے ہر آن ترے کوچہ میں
آئے کیوں کر تنِ بے جان ترے کوچہ میں

دل میں جو آتا ہے بس منہ سے وہی بکتا ہوں — ترے ملنے کی ہے جو راہ وہی تکتا ہوں
ہر گھڑی تیرے تصور کا مزہ چکھتا ہوں — آ نہیں سکتا ہوں واں یاں نہ بلا سکتا ہوں
رات دن رہتا ہے بس دھیان ترے کوچہ میں

جسم سے دور ہوں میں تجھ سے کہیں میں ہوں کہیں — ہے رگِ جاں سے تو نزدیک مگر دل کے مکیں
جاذبہ عشق ترا کیا مجھے کھینچے گا نہیں — مسکنِ روح مرا بعدِ فنا ہوگا وہیں
دفن ہو یا نہ ہو اے جان ترے کوچہ میں

کون ہے جس کے نہیں دل میں ترا عشق و ولا
شمعِ رُخ پہ ترے پروانہ ہے ادنیٰ اعلیٰ
جبکہ خود شیفتہ تیرا ہُوا تیرا مولیٰ
کیا عجب ہے کہ بنے صورتِ مجنوں لیلیٰ

چیر کر اپنا گریبان ترے کوچہ میں

جان سے اپنے ہے وہ جسمِ مقدس بہتر
ہے روا عرش سے گر آن میں آئے جاکر
آرزو ہے کہ وہ تلووں سے ملے نورِ نظر
خاک پہ نقشِ کفِ پا ترا ہوئے کیونکر

فرش ہیں دیدۂ حیران ترے کوچہ میں

ترے دیوانے ہیں دُنیائے دنی سے رُوپوش
بادۂ عشق سے ہیں بیخود و مست و مدہوش
درِ عالی پہ پڑے رہتے ہیں عارف بے ہوش
چھوڑ دروازہ ترا جائیں کہاں ہم خاموش

جان تو کر چکے قربان ترے کوچہ میں

فارسی کلام

آرزو دارم طوافِ روضۂ والا کنم
گہ درت بوسم گہے بر سنگ در سجدا کنم

ایں تمنّا ہست در دل چوں بکوئے تو رسم
گرد کوئے راہِ تو بر روئے خود غازا کنم

لطف فرما و بیا در خانۂ ویرانِ من
تا کہ از وصل تو امشب را شب اسریٰ کنم

لَاتُقَیِّسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ چو خود فرمودۂ
کے بود ممکن کہ اوصاف ترا انشا کنم

لائق دربارِ دُربارِ تو شاہا نیستم
آرزو دارم ہمیں کہ با سگانت جا کنم

دستگیرِ من توئی اُمیدگاہِ من توئی
غیرِ تو ملجا و ماوایم کرا شاہا کنم

عارفا آں دم کہ بر سنگِ درش دارم جبیں
راس فخرم از مقامِ استوا بالا کنم

جان و دل قربانِ یک جادو نگاہے ساختم
در خمِ محرابِ ابرو سجدہ گاہے ساختم

انبساطِ عیدِ من باشد جمالِ روئے دوست
کوئے جاناں را برایم عید گاہے ساختم

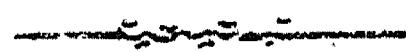
سجدہ گاہ و قبلۂ ہر مذہب و ملّت جُداست
قبلۂ من جانبِ یک کج کُلاہے ساختم

در رہِ پُر پیچ عشقم چوں کسے رہبر نبُود
نقشِ پائے یارِ خود را خضرِ راہے ساختم

مسندِ فقرم شد عارفؔ رُوکشِ تختِ شہی
کلبۂ احزانِ خود را بارگاہے ساختم

تخمیس

بر کلام فصاحت التیام حضرت آصف جاہ سابع مد ظلہ و عم نوالہ



اے شانِ کبریا شدہ شایانِ شانِ تو　　عرشِ عظیم گشت چہ بالامکانِ تو
زیبا زبانِ حق ز برائے بیانِ تو　　اے نطقِ اوّلیں ز ازل خطبہ خوانِ تو
در دو جہاں کسے نبود ہم عنانِ تو

دستت یدُ اللہ ہست و نازش زبانِ تو　　خود میخورد خدائے تو سوگند جانِ تو
جز ربِّ تو کسے نبود رتبہ دانِ تو　　اے نطقِ اوّلیں ز ازل خطبہ خوانِ تو
در دو جہاں کسے نبود ہم عنانِ تو

شد وسعتِ زمین و سما بہرِ خوانِ تو　　گشتست جملہ خلقِ خدا میہمانِ تو
بیروں ست از بیاں کرمِ بیکرانِ تو　　اے نطقِ اوّلیں ز ازل خطبہ خوانِ تو
در دو جہاں کسے نبود ہم عنانِ تو

اے مظہرِ خزانۂ مخفی و نورِ ذات　　مرأتِ حسنِ لم یزلی مظہرِ صفات
روشن چراغِ ہستی و نورت شمعِ جہات　　اے باعثِ ظہورِ جہاں فخرِ کائنات
در دہر ہر چہ ہست ہمہ نازِ آنِ تو

اے جانِ جملہ عالمیؑ وچشمۂ حیات — ہم موجبِ وجود و نمود و بقا ثبات
از ہم شدی ز نفس و آبا و امّہات — اے باعث ظہور جہان فخر کائنات

در دہر ہر چہ ہست ہما ناز آنِ تو

ذہنم چو از کدورت احوال بود سُست — موجِ خیالِ وصف تو آن تیرگی بشُست
نعتِ تو از زبان و قلم آمدہ درست — صد ناز بہر خامہ زِ تحریرِ وصفِ تست

بہر لساں ہزار شرف از بیانِ تو

چوں بلبل زباں گُل نعت تو کرد چست — شاخ قلم ز بہر گُل افشانیش برست
ہم لوحِ سینہ ام گُل مضموں گرفت چست — صد ناز بہر خامہ زِ تحریرِ وصفِ تست

بہر لساں ہزار شرف از بیانِ تو

عقل رسانہ لایق تقدیرِ وصف تست — کے کج زباں مرا خور تقریر وصف تست
زور قلم نہ قابلِ تسطیر وصف تست — صد ناز بہر خامہ زِ تحریرِ وصف تست

بہر لساں ہزار شرف از بیانِ تو

شاہنشہ دو کونی و محبوب فی الجلال — مہر سپہر خوبی و ہم بدر پُر کمال
احساں کُن از اشارۂ ابرو بریں ہلال — ہستم چو مور از ستمِ چرخ پائمال

فریاد پیش عدلِ سلیماں نشانِ تو

بودم ز لطف و فضل تو ذی جاہ با جلال — ذی اقتدار و رفعت و با ثروت و منال
ناحق کنوں حسود شدہ در پئے زوال — ہستم چو مور از ستمِ چرخ پائمال

فریاد پیش عدلِ سلیماں نشانِ تو

مریخ وار عقرب اقرب زحل مثال — ایام من بظلم نمو دست چوں لیال
رحمے بہ تیرہ بختیم و حال پر ملال — ہستم چو مور از ستم چرخ پایمال
فریاد پیش عدل سلیمان نشان تو

منظوم ہمچو دانۂ سبحہ شدم بآل — دارم ز سلسلہ با مامین اتصال
از گردش زمانہ مرا نیست انفصال — ہستم چو مور از ستم چرخ پایمال
فریاد پیش عدل سلیمان نشان تو

برمن چو گشت بادۂ کربت بلا حلال — پس نشہ بایدم کہ بر دریغ ایں نقال
ساقی برائے سوختہ جاں نہ مے وصال — ہستم چو مور از ستم چرخ پایمال
فریاد پیش عدل سلیمان نشان تو

شوریدگان الفت تو مست بادہ اند — بر فرق دو سرا قدم خود نہادہ اند
دست طلب بسوئے نوالت کشادہ اند — تا بہرۂ بود ز حیاتم کہ دادہ اند
میخواہم اینکہ زلّہ ربایم ز خوان تو

پیغمبراں ز پیروئی تو بجا دہ اند — عشاق ملتمس برہت او فتادہ اند
فوج فرشتگاں بدرت ایستادہ اند — تا بہرۂ بود ز حیاتم کہ دادہ اند
میخواہم اینکہ زلّہ ربایم ز خوان تو

قہر تو افگند بخضیض خسارہ — خورشید یافتہ ست ز حکمت گزارہ
تا ید بر اوج سعد تو مہرت ستارہ — ہموارہ ہست دور فلک بر اشارہ
پیوستہ است حکم قدر ہم زبان تو

ازتو نماید امّتِ تو استخارہٗ
در دو جہاں زخوانِ تو کافیست پارہٗ
بے چارہ گاں بجز تو نیابند چارہٗ
ہموارہ ہست دورِ فلک بر اشارہٗ
پیوستہ است حکم قدر ہمزبانِ تو

حق از تو کرد قدرت خود در انظارہٗ
دایم زتست ربّ ترا استشارہٗ
گیرد نہ مرضیش زرضایت کنارہٗ
ہموارہ ہست دور فلک بر اشارہٗ
پیوستہ است حکم قدر ہمزبانِ تو

اے رہنمائے عارفِ حق ہادی سُبل
اے مالک دو عالم و مختار جزو کُل
در عرض مدّعا چہ روانیست شور و غُل
عثماں بصد نیاز و عقیدت شہ رُسل
ساید جبیں بدرگہ عرش آستانِ تو

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا



غوث الثقلین

رضی اللہ عنہ

وغیرہ

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

گویم ز کمالِ توجہ غوث الثقلینا
محبوبِ خدا ابنِ حسن آلِ حسینا
سر بر قدمت جملہ نہادند و بگفتند
تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا

(حضرت جامیؒ)

مجھے اس طرح اپنا جلوہ دکھایا — کہ میں نے بہت خود کو ڈھونڈا نہ پایا

کبھی منہ چھپایا کبھی منہ دکھایا — مجھے اس کرشمہ سے مارا جلایا

کرم سے کچھ ایسا بڑھایا چڑھایا — کہ بندے کو آخر میں مولا بنایا

نگاہوں میں یوں ان کا جلوہ سمایا — نہ آیا نظر مجھ کو اپنا پرایا

ہوئی دل کو فرحت ملی جاں کو راحت — کسی نے جب ان کا فسانہ سنایا

جو ذکرِ شہِ اولیا ہو رہا ہے — سرِ بزم ہے ابرِ رحمت کا چھایا

ہوئے پیرِ پیراں بنے میرِ میراں — خدا نے وقار ان کا کیا کیا بڑھایا

ہیں زیرِ قدم ان کے سر اولیا کے — ہے یہ شان ان کی ہے یہ ان کا پایا

ہوئے اولیا یوں تو کتنے جہاں میں — کسی نے بھی حضرت کا رتبہ نہ پایا

خدا کی قسم مل گیا قصرِ بالا — جو یا غوث کا میں نے نعرہ لگایا

مجھے کیا ڈرائے گا عارف زمانہ

مرے سر پہ ہے ان کے دامن کا سایا

وہ مست ہوں جسے ہوسِ جامِ جم نہیں
ساقی کی چشم ساغر و مینا سے کم نہیں

صدقہ نگاہِ غوث کا ہے وہ غنا نصیب
جنّت کی آرزو نہیں دُنیا کا غم نہیں

سرکار کیا ملے مجھے دونوں جہاں ملے
اب کچھ ملے ملے نہ ملے اس کا غم نہیں

تعریف سے خوشی، نہ ملامت سے ناخوشی
پیشِ نظر ہے ان کی رضا مدح و ذم نہیں

ہے دل میں میرے جلوہ سُلطانِ اولیا
کعبہ ہے میرا دل کوئی بیت الصنم نہیں

فیضِ ولائے شاہ کے قُربان جائیے
سوز و گُدازِ دل بھی ہے آنکھیں ہی نم نہیں

شکرِ تو چوں کنم کہ ہمہ غرقِ نعمتم
سرکار کا غلام پہ کیا کیا کرم نہیں

ہوں فکر میں کہ آپ کو کس سے مثال دوں
جب آپ کی مثال خدا کی قسم نہیں

روشن جہاں ہے جس سے یہ وہ آفتاب ہے
پُرنور اس سے صرف عرب اور عجم نہیں

اقطاب پر بھی حُکم ہے نافذ حضور کا
ایسا جہاں میں صاحبِ سیف و قلم نہیں

زیرِ قدم ہیں آپ کے سب اولیا کے سر
دَم ہمسری کا ماریں کسی میں یہ دم نہیں

وہ بدنصیب ہے بخدا بدنصیب ہے
جس پر حضور آپ کا دستِ کرم نہیں

مُنکر کی آخرت گئی دُنیا ہوئی خراب
انکارِ شہ سے بڑھ کے کوئی اور ستم نہیں

عارف کے سر پہ آپ کے نعلینِ پاک ہیں
جھکتا تو کسی کے سامنے سر اس کا خم نہیں

بدرگاہِ لاابالی

دربارِ جنابِ لااُبالیؒ
ہے مخزنِ فیضِ ذوالجلالی

سرکار کا فیض۔ فیضِ جاری
دربار کی شان یشانِ عالی

جس نے دیکھا تجھے وہ بولا
مرأتِ جمالِ ذُوالجلالی

ہر رنگ میں تیرا رنگ اعلیٰ
ہر شان میں تری شان عالی

ہر ایک یہاں ہے گُل بداماں
اس در سے پھرا نہ کوئی خالی

ہر دم ہے کُشادہ بابِ رحمت
ہر وقت ہے تیرا فیض جاری

اس خستہ جگر کی بھی خبر لے
کب تک اس کی یہ خستہ حالی

اس طرح ہجوم یاس تا کے
کب تک آخر یہ رات کالی

میرے شبِ غم کی بھی سحر ہو
اے میرے کریم میرے والی

ہو نخلِ اُمید بارآور
سرسبز ہو اب یہ خشک ڈالی

سب لے کے پھریں مُراد اپنی
عارفؔ ترے در سے جائے خالی؟

ؒ "لااُبالی" حضرت سید الابدال سید شاہ عبداللطیف قادری الحموی قدس سرہٗ کا لقب ہے۔

فارسی کلام

غوثِ اعظم بنگر ایں ناکام را
از مئے عرفاں بدہ یک جام را

بحر لا ساحل زوصفت قطرۂ
زاں رسیدہ فیض خاص و عام را

کُن عطا از بحرِ فیضت جرعۂ
ایں غلام بے درم بے دام را

برتر از فہم و خرد شد جائے تو
عُذرِ ادراک است عقل خام را

آں چناں در منزلت بالا شدی
پست کردی چرخ نیلی فام را

تازہ و تر گشتہ از تو نخلِ دیں
زندہ کردی ملّتِ اسلام را

عارفا "یا غوث" اسمِ اعظم ست
وِرد دار ایں اسم صُبح و شام را

گاہ رقصم گہ پرم اندر ہوائے دستگیر
گاہ غلطم گاہ اُفتم زیر پائے دستگیر

عشق وے تدبیر من تقدیر من آئین من
از ازل گشتہ دلِ من مبتلائے دستگیر

من نہ تنہا از نگاہش زخم خوردم بر جگر
عالمے شد کشتۂ تیغِ ادائے دستگیر

شد وجودش مرأتِ حُسن و جمالِ مصطفےٰ
پس لقائے مصطفےٰ باشد لقائے دستگیر

قدرت اُو تیر جستہ را بگرداند ز رہ
می شود یابِ قدر واہم برائے دستگیر

ہر یکے می خواہد از وے ہر یکے از وے برد
اللہ اللہ وسعتِ دستِ عطائے دستگیر

پائے گویاں مردہ صد سالہ آمد چوں شنید
"قم باذنی" از لبِ معجز نمائے دستگیر

اُوست جنیدؒ گر مریدش نیست جنیدؒ باک نیست
با نوا شد ہر کہ گشتہ بے نوائے دستگیر

اے خوشا آں دل کہ می باشد اسیرِ زُلفِ او
اے زہے آں کس کہ گشتہ مبتلائے دستگیر

از نوالِ بذل و جود و لطفِ عامِ وے مپرس
تاج شاہی می دہد ادنیٰ گدائے دستگیر

شد عیاں رمزے عجیب از قولِ قدمی ھذہٖ
کانتہائے اولیا شد ابتدائے دستگیر

عالم الغیب است مقامِ شاہ می داند خبر
جنّت الفردوس شد جائے گدائے دستگیر

در نگاہم ہر حقیقت گشت مثلِ آئینہ
چوں بچشم خود کشیدم خاکپائے دستگیر

بر سرِ من ہست عارفؔ سایۂ دامانِ اُو
باشم اندر حشر ہم زیرِ لوائے دستگیر

تخمیس بر کلام حضرت آصفجاہ سابع مدظلہ العالی

مرحبا صلّ علیٰ من شاہِ شاہاں یافتم
بارک اللہ وارثِ ملکِ سلیماں یافتم
حبّذا ہادیٔ خضر و پیرِ پیراں یافتم
شکر للہ رہنمائے دین و ایماں یافتم
شافعِ روزِ جزا محبوبِ سبحاں یافتم

انبیاء را در صفاتِ او ثنا خواں یافتم
اولیا را سر بپایش کردہ نازاں یافتم
اتقیا را از زلالش زلّہ خواراں یافتم
شکر للہ رہنمائے دین و ایماں یافتم
شافعِ روزِ جزا محبوبِ سبحاں یافتم

ہر دو عالم را ز لطفش زیرِ احساں یافتم
بدل و قطب و غوث و فردش زیرِ فرماں یافتم
در رجال اللہ صدرِ بزمِ امکاں یافتم
شکر للہ رہنمائے دین و ایماں یافتم
شافعِ روزِ جزا محبوبِ سبحاں یافتم

شانِ جدّت فیض بخشی بر تو شایاں یافتم
دو جہاں را از دل و جاں بر تو قرباں یافتم
ابن مولیٰ را من از مشکل کشایاں یافتم
شکر للہ رہنمائے دین و ایماں یافتم
شافعِ روزِ جزا محبوبِ سبحاں یافتم

در فعال او باصواب و در ظلال او چوں سحاب
در جدال او کامیاب و در محال او فتحیاب
در مثال او لاجواب و در وصال او بے حجاب
در جمال او ماہتاب و در جلال او آفتاب
مظہرِ نورِ اتم منظورِ یزداں یافتم

عشقِ ثقلین مرا وجہِ شفاعت گشتہ — پئے بخشش ہمیں ساماں بہ قیامت گشتہ
اُلفتِ آلِ نبیؐ گشت چو جزوِ ایماں — بُغضِ ایشاں بخدا باعثِ کُلفت گشتہ
مُنکرِ فرعِ علیؑ کے بشود واصلِ اصل — راست گویم کہ در انکار قباحت گشتہ
ہست با جزو متوسّل متوسّل با کُل — سلسلہ باعثِ فیضانِ امامت گشتہ
ہر کہ بر روضۂ حسینؓ شد حاضر در اصل — باریابِ اُو بہ درِ شاہِ ولایت گشتہ
شاخِ ریحاں کہ بہر جائے بروید گُل ہست — گُل بہر خم کہ بجوشد مے عشرت گشتہ

عارفِ مرتضویؓ کے غمِ طوفاں دارد
راکبِ ہمچو سفینہ بسلامت گشتہ

رہبرِ دکن مورخہ ۱۴؍ ذی حجہ ۱۳۵۵ف میں حسبِ ذیل بیت نظر سے گزری جس پر فی البدیہہ آپ نے یہ اشعار فرمائے۔ بیت یہ تھی:

مُنکرِ فرع شدن اثمِ کبیرہ نبود — راست گویم کہ ندانم چہ قباحت گشتہ

در محاسن سیدی طوبیٰ لہٗ حسن المآب — بے خیال و بے گمان و بے سوال و بے جواب
در کمالش دم مزن و اللہ اعلم بالصواب — در جمال او ماہتاب و در جلال او آفتاب

مظہرِ نورِ اتم منظورِ یزداں یافتم

اسپ میدانِ دعایش از ہمہ اول شود — ناقصے باشد ولے از یک نظر اکمل شود
چیست دشواری کہ پیشِ شہ نہ او اسہل شود — صد ہزاراں عقدہ از فیضِ نگاہش حل شود

امرِ مشکل بر درش بسیار آساں یافتم

برتر است از کعبۃ اللہ مضجعِ غوث مکیں — آں مکانِ ناز بر دارایں مکانِ نازنیں
گنبدش شد ہمسرِ عرش الٰہ العالمیں — در تحمل کوہ عظمیٰ در علو چرخ بریں

عتبۂ والا مکانش ہمچو کیواں یافتم

بارگاہش جنّت الماویٰ و او سدرہ نشیں — پاسبانش ہمچو رضواں یا کہ چوں روح الامیں
شد مکانش جائے حیرت لامکاں با او مکیں — در تحمل کوہ عظمیٰ در علو چرخ بریں

عتبۂ والا مکانش ہمچو کیواں یافتم

در جماعت او جلیل و در امامت او جدیر — در ہدایت چوں خلیل و در حمایت او بشیر
در عنایت بے مثیل و در اعانت او قدیر — در شجاعت بے عدیل و در شہامت بے نظیر

یکہ تازہ عرصۂ توحید و عرفاں یافتم

چوں دمِ عیسیٰ بود در جاں نوازیہا دمش — زندۂ جاوید کردہ دین جدا کرمش
محیِ دیں گویاں شدہ ممنونِ احساں عالمش — کرد چوں عزم وغا یا کافراں بر پرچمش

آیۂ نصر من اللہ را نمایاں یافتم

...الے خوانند کلب آستانز ضیغمش — آب گردد زہرۂ ضرغام پیش آدمش

...ح و نصرت در معارک ہم رکاب ہمرہش — کرد چوں عزم وغا با کافراں بر پرچمش

آیۂ نصرٌ من اللہ را نمایاں یافتم

...ست سیفش بے نیام و قوس او زہ ہمدمش — تیر او شد بر سر سوفار و صائب ہر دمش

...رۂ او راست است و زیں دہ ہم او دمش — کرد چوں عزم وغا با کافراں بر پرچمش

آیۂ نصرٌ من اللہ را نمایاں یافتم

...ر چوں تعمیلِ فرمانِ خدا از بہرِ جود — شہسوار گردنِ ہر ہر دلی لاریب بود

...رقی و غربی سرِ تسلیم خود بر خاک سود — چوں سمند سعیٔ او در رام حق جولاں نمود

مشرق و مغرب بہ پیشش تنگ داماں یافتم

...ست دایم در سکون حال بود و تن بخاک — چہرہ زرد و خشک لب و ز کرکِ غم سینہ چاک

...ال از سر قدم کردہ رواں شد فرحناک — تازہ و تر گشتہ در وصف خط رخسار پاک

خامہ را سرسبز ہمچو شاخ ریحاں یافتم

...ت محتاج عنایاتِ تو شاہا ہر کسے — بندۂ بے دام تو ایں عارف خستہ جسے

...ر دربار در بارِ تو ہمچو ما بسے — گوہر مقصد بداماں ہست عثماں ہر کسے

فیض آں بحر کرم چوں ابر نیساں یافتم



سنہ ۱۳۲۵ھ

تاریخ ولادت شہزادگان نواب اعظم جاہ بہادر و نواب معظم جاہ بہادر

زمیلاد شہزادگانِ مظفر — بہ شہ قوّت و ملک و دولت مبارک
برآمد سنش با دعا از لبِ دل — یمین و یسارِ ریاست مبارک

۱۳۲۵ھ

سنہ ۱۳۲۶ھ

تاریخ ازدواج حضرت سید شاہ لطیف محی الدین صاحب قادری الموسوی برادر حضرت عارف

(۹ ذی قعدہ سنہ ۱۳۲۶ھ روزِ جمعہ)

زیادہ گلشنِ انبساط آباد و بہجت ایام بہار مدام باد

۱۳۲۶ھ

سنہ ۱۳۲۷ھ

تاریخ ولادت سید غلام عبداللطیف قادری فرزند حضرت سید عبدالرشید صاحب قادری حمہ

(۹ صفر ۱۳۲۷ھ سہ شنبہ بوقت ۲ ساعت شب)

ہو گئی مقبول عرضی آپ کی — بارگاہ سید الابدال میں
لاابالی کی عطا کا شکریہ — آ نہیں سکتا مجالِ قال میں
سرفرازی ان سے ہو تو کیا عجب — ہیں محمد مصطفےٰ کی آل میں
گلشنِ مقصود میں آئی بہار — ہر روش پر ہے خراماں چال میں
کیسا اعجازِ نسیمِ لطف ہے — نیست صرصر ہو گئی پامال میں
زلف سنبل سے پریشانی ہے دور — لولوء شبنم ہے ہر اک بال میں
چہچہاتے ہیں عنادل شادماں — نخلِ بستاں جھومتے ہیں حال میں
ثمرہ حسنِ عقیدت آلگا — شاخہائے شجرہ آمال میں
یعنی اب آیا ہے فرزندِ رشید — چودھویں کے چاند کے سربال میں
(لباس)
آنکھ ٹھنڈی اس سے ہو ابوین کی — وہ رہے ماں باپ کے اظلال میں
ہو الٰہی عمر و دولت کا کبیر — ہو یگانہ حشمت و اقبال میں

فی البدیہی قول عارف کا سنو

(ارمغانِ بے بہا ہے سال میں
۱۳۲۷ھ

سنہ ۱۳۲۹ھ

تاریخ ولادت ابوالفضل سیّد محمود قادری محمود

(۱۱ ذی حجہ سنہ ۱۳۲۹ھ یکشنبہ)

ارمغانِ زیبا ادا
۱۳۱۸ فصلی

ارمغانِ ذکی
۱۳۲۹ھ

سنہ ۱۳۴۲ھ

تاریخ ازدواج سیدہ عبداللطیف شاہ اللہ صاحب قادری الموسوی فرزندِ اکبر حضرت عارف

زیادہ گلشن ہائے انبساط آباد و بہجت ایام بہار مدام یاد
۱۳۴۲ھ

سنہ ۱۳۴۳ھ

تاریخ تسمیہ خوانی سید شاہ غلام قاسم صاحب قادری الموسوی فرزندِ دوم حضرت عارف

چو شد تسمیہ خوانی شاہ قاسم — غلامِ غلامانِ شہبازِ اشہب
دعا، تہنیت، سال عارف بگفتہ — مبارک شود رسم آدابِ مکتب

۱۳۴۳ھ

سنہ ۱۳۵۲ھ

تاریخ ولادت سیدہ کریم النساء بیگم عرف جمیلن شہزادی دختر ابوالفضل سید محمود قادری محمود

قطعہ طرب ولادت باسعادت بی جانی کریم النساء بیگم — صاحب حسن و جمال جمیل بادشاہ سلمہا اللہ تعالیٰ

۱۹۳۴ء — ۱۳۴۳ فصلی

از زبان سید وحید القادری الموسوی کان اللہ تعالیٰ لہٗ

۱۳۵۲ھ

صبح صادق شانزدہ ذی الحجہ یکشنبہ چو بود — اندریں آوان طلوعِ نیک اختر آمدہ
یعنی پیدا گشت دختر سیدِ محمود را — گفت عارف سال وے (محمود دختر آمدہ)

۱۳۵۲ھ

؁ ۱۹۳۲ء

تاریخ ولادت شہزادہ نواب مکرم جاہ بہادر

باعثِ انتہا جم رسیدہ — جانفزا ایں نویدے بگوشم
کہ تولد نمودند درِ نینس (؁۱۳۵۱ھ) — نورِ عینِ ولی عہد اعظم
دار یارب بعمرِ درازش — زیرِ ظلِ اب و جدِ خرم
بہرِ تاریخ او عارفا نیست — حاجت فکر و عزم مصمم
زانکہ فرمودہ شاہ کافیست — میر برکت علی خاں مکرم

۱۹۳۲ء

؁ ۱۳۵۶ھ

تاریخ تسمیہ خوانی نواب مکرم جاہ بہادر (۱۴؍ ذی حجہ ؁۱۳۵۶ھ روزِ شنبہ)

مبارک تسمیہ خوانی ہو یہ برکت علیخاں کو — جو سرانجام پائی اب بدست خاص ظلِ اللہ
نسیمِ رحمتِ باری بہار جانفزا لائی — کہ جس سے ہے شگفتہ باغِ اعظم جاہ خاطر خواہ
پلے یہ نونہال آصفی ظلِ اب و جد میں — پھلے پھولے رہے شاداب یارباہ یا اللہ
کہی اس تسمیہ خوانی کی یہ تاریخ عارف نے — پڑھو کر نل گل نورس مکرم جاہ بسم اللہ

؁۱۳۵۶ھ

۱۳۵۸ھ

تاریخ ولادت شہزادہ نواب مفخم جاہ بہادر

سپہر آصفی پُر نور بودہ ۔ زوجہ برکت مہر مکرم
درخشاں گشت برج نیّس اکنوں ۔ در و طالع جو شد ماہ محرّم
قران سعدین را باشد مبارک ۔ بہ ظلّ جدّ و آب باشند خرّم
اگر تاریخ ایں مطلوب باشد ۔ نباید عارفا عــزم معمّم
خطاب شاہ بس کافیست اُورا ۔ مفخم جاہ والاشان منعم

۱۳۵۸ھ

تاریخ ازدواج سیدہ غلام قاسم صاحب قادری الموسوی فرزند چہارم حضرت عارف

ہوا شاہ قاسم کا جب ازدواج ۔ تھی اُنیس ذی حجہ دن پیر کا
ہوئے اہل کرنول سب اس سے خوش ۔ مُبارک ہو کہتے تھے اور مرحبا
یہ دونوں بھی ہیں شاہ ابدال کے ۔ دُلہن پوتری اور دُلھا پوترا
عجب کفو کا ہو گیا امتزاج ۔ وہ ان کی بنی اور یہ ان کا بنا
یہ شادی کی تاریخ عارف کہو ۔ صحیح النسب سیّد کتخدا

۱۳۵۸ھ

ے اصطلاحات نجوم وغیرہ کہ ایں قطعۂ تاریخ متضمن آنہاست ایں اند
سپہر ۔ مہر ، ماہ ، برج ، طالع ، قران السعدین ، مبارک ، خرمی ، وقت تولد و ماہ ولادت ۔

۱۳۶۰ھ

تاریخ تولد سید غلام لطیف قادری الموسوی

بروز پنجشنبہ وقتِ اشراق
زشعبان یازدہ تاریخِ مسعود

بگوش عارف آمد ایں صدائے
شنو (سید غلام لطیف مولود)

۱۳۶۰ھ

تاریخ ازدواج سیدہ شاہ محمد مرتضیٰ صاحب قادری الموسوی فرزندِ سوم حضرت عارف

(۲۶ ربیع الآخر ۱۳۶۰ھ روز شنبہ)

مرحبا اھلاً و سھلاً مرتضیٰ
جئتَ للتزویج فی ھذا المکان

ارّخ العارفُ مسروراً بہ
اَن عقدُ مکرمٍ ھذا الزمان

۱۳۶۰ھ

دیگر

کیوں یہاں پر آج کے دن جمع سب احباب ہیں
انبساط و خرمی سے سب کو دیکھو شاد ہیں

سنیئے عارف سے سبب اور سال حسنِ اتفاق
مصطفٰےؑ کے حمد شہ مرتضےٰ داماد ہیں

ع عروس سید مصطفٰے صاحب قادری پروفیسر جامعہ عثمانیہ کی صاحبزادی ہیں۔

سنہ ۱۳۶۲

تاریخ ازدواج دختر نیک اختر مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری

الم تر یا حبیب مثل نکاحٍ — لازدیادِ الوداد فی البینِ

قلتُ تاریخہٗ بلا عمدٍ — عقدُ مسعودٍ قُرّۃِ العینِ

۱۳۶۲ ھ



تاریخِ وصال حضرت سید شاہ عبدالمحی الدین قادری

صاحبزادہ حضرت پیر شہ سید محی الدین ثانی قادری قدس سرہٗ

چوں دوازدہ از ماہ جمادی اولے شد
شہ عبد محی الدین از کاس لقا شد مست
عارف کہ کمینہ و کہتر ز غلامانست
تاریخ وصالش را گفتہ ۔ بخدا پیوست

۱۰۸۵ھ

(اختصار)

چوں عبد محی الدین از کاس لقا شد مست
عارف سن وصلش را گفتہ ۔ بخدا پیوست

۱۰۸۵ھ

سنہ ۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات سیدہ عباس بی بی صاحبہ مرحومہ ہمشیرۂ افتخار الاکابر والاکارم

چوں عباس بی بی بہ شہر رسول　　نمودند وصل خدا را قبول
سنِ رحلتش کرد عارف رقم　　رسیدہ بفردوس نورِ بتول

۱۳۲۵ھ

سنہ ۱۳۲۷ھ

تاریخِ وصال افتخار الاکابر والاکارم شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ محمد مہدی مرتضٰی آقای مدنی

(پیر طریقت و جدِ امجد حضرت عارف)

چوں بہ طیبہ کرد رحلت مرشدی　　مرتضٰی سید مہاجر قادری
گفت عارف سوئے عرشِ مصطفٰے　　آفتاب رفت آلِ موسوی

۱۳۲۷ھ

حضرت موصوف کا بتاریخ ۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ روز دوشنبہ بوقت صبح مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ قبہ اہل بیت میں مدفون ہوئے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

سنہ ۱۳۴۰ھ

تاریخِ وصال حضرت سیدہ محمد صاحب قادری الموسوی پدرِ بزرگوار حضرت عارف شاہ صاحب

والدی فاز بوصل اللہ	وجھہٗ کان مضیئاً بالنور
قال تاریخہٗ ھذا العارف	دار فی جنت عدن بسرور

۱۳۴۰ھ

سنہ ۱۳۴۳ھ

تاریخِ رحلت فقیرِ بے ریا سید احمد قادری عرف حیات اللہ شاہ صاحب

پنجم رمضان و دو شنبہ چو شد	قبل فجر و سر بسجدہ شاہ رفت
ذاکر و شاغل فقیرِ بے ریا	سید احمد آں حیات اللہ رفت

۱۳۴۳ھ

ل حضرت کا بتاریخ ۱۸ جمادی الاخر ۱۳۴۰ھ روزِ پنجشنبہ بوقتِ ظہر بذکر کلمہ طیبہ تبسم کناں وصال ہوا مزار درگاہ موسویہ کی شرقی رویہ چوکھنڈی میں واقع ہے ۔

سنہ ۱۳۴۴ھ

تاریخِ وصال حضرت شاہ حمّاد صاحب قادری صاحبزادہ حضرت زید علی شاہ صاحب

(برادرِ حقیقی والدہ ماجدہ حضرت عارفؔ)

بست و دوم از جمادی الآخر روزِ جمعہ بود — رفت از دارِ فنا حمّاد صاحب قادری
مصرعِ تاریخِ او را عارفِ محزوں بگفت — جلوہ گر شد در بقا حمّاد صاحب قادری

۱۳۴۴ھ

سنہ ۱۳۵۰ھ

تاریخِ رحلت حضرتہ افضل بیگم صاحبہ والدۂ محترمہ حضرت عارفؔ [۱]

زیں جہاں چوں کرد رحلت والدہ — بہر تحصیل ملاقات حبیب
عارفا سالِ وصالش را بگو — جنّت الفردوس شد منزل عجیب

۱۳۵۰ھ

۱؎ حضرتہ کا بتاریخ ۲۹ رجب سنہ ۱۳۵۰ھ شب پنجشنبہ بوقت ۱۱ ساعت انتقال ہوا۔ نہایت صالحہ عابدہ تھیں۔ ہمیشہ درودِ شریف وردِ زباں رہا کرتا تھا شاید اسی کی برکت تھی کہ سانس سے خوشبو آیا کرتی تھی۔ مزار حضرت عارفؔ کے پدر بزرگوار کے بازو درگاہ موسویہ کی شرق رویہ چوکھنڈی میں واقع ہے۔

سنہ ۱۳۵۲ھ

تاریخ وفات سید غلام لطیف قادری

دریغا شب شنبہ بُد عارفا | دوازدہ ز شعبان ماہِ شریف
بعمر دو سالہ بسوئے جناں | دویدند سید غلام لطیف

۱۳۵۲ھ

سنہ ۱۳۵۳ھ

تاریخِ وفات میر ناصر علی صاحب قادری پدر بزرگوار میر قدیر علی صاحب منشی جج بنگلور

مات ناصر علی قلتُ تاریخه | راجیاً منک ربی الغفرانک

۱۳۵۳ھ

دیگر

یازدہ ماہ شعبان وسہ شنبہ بود | خادمے از پس عصر در خاک شد
از سرِ یاد تاریخ عارف بگفت | میر ناصر علی قادری پاک شد

۱۳۵۳ھ

۱۳۵۵ھ

تاریخِ وفات شہزادہ جوادجاہ

چو ربّ عزوجل در کلام خود فرمود — کہ ہست آخرۃ النبیہ خیر وہم ابقیٰ
ازیں سبب بہ یقیں عارفا نشاں نمود — جوادجاہ بخلد بریں طرب پیدا

۱۳۴۵ف

دیگر بہ صنعت تدخلہ

بطفلی زدار فنا شد جواد — مسافر وہم سالک جادۂ
سنش رابدو آہ عارف بگفت — بدارالبقا رفت شہزادۂ

۱۳۵۵ھ

دیگر بہ صنعت تخرجہ

چوں دوا در نفع خود گم کرد راہ — کو رسانیدہ ضرر بجواد جاہ
گفت سالش مولوی معنوی — از کرامت در کتاب مثنوی
عارفا باید کسے آں سر بسر — کز سر ابلہ کند قطع نظر
پس ز رمز مصرعش آگہ شود — چوں قضا آید طبیب ابلہ شود

۱۳۴۵ف

سنہ ۱۳۶۰ھ

"تاریخِ رحلت حضرت زہرہ بیگم صاحبہ مادرِ دکن"

مادرِ مہربانِ شاہ دکن | دید چوں درمیانِ جنّت جاش
زیں سبب از جہانِ فانی رفت | اُمۃ الزّہرا بیگم بشاش

۱۳۶۰ھ

دیگر

اُمِّ سلطان آصف سابع | گشت حاضر بدرگہ خلّاق
چونکہ اُو بد خلیق عارف گفت | شد بجنّت ز (خوبیٔ اخلاق)

۱۳۵۰ف

دیگر

[1] خدمت والدہ عجیب نمود | صاحب تخت و تاج پایندہ
زیں سرا تا بمنزلِ مقصود | مشفقہ داشت (بخت فرخندہ)

۱۹۴۱ء

[1] بروزِ فاتحہ سوم مکہ مسجد میں بعدِ تعزیت حضرت نے یہ قطعات دست بدست حضرت آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کئے جس کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے حضرت آصفِ سابع تشریف لے گئے۔

سنہ ۱۳۶۳ھ

تاریخِ رحلت حضرت سیدہ محی الدین بیگم صاحبہ ہمشیرۂ کلاں حضرت عارف؎

سنینش تا بشصت و شش رسیدہ — کہ از اللہ (۶۶) ہویدا اند بے کم
خمش را گفت عارف از سرِ جاں (۳) — بجنت رفت محی الدین بیگم

۱۳۶۳ھ

سنہ ۱۳۶۵ھ

تاریخِ رحلت نواب فصاحت جنگ بہادر جلیلؔ

بے بدل بود امام الفن آہ — کہ ز اوصاف بر انداختہ غُل
شدہ محبوبِ عنادل لاریب — آں کہ در باغِ سخن بود چو گل
غرقِ رحمت خالقِ بادا — ہم بفردوس شود شاربِ مُل
تیرہ و تار گشتہ دنیا — رفت چوں سوئے جناں شمعِ سُبُل
گفت تاریخِ وصالش عارف — شمعِ بزمِ سخنِ لامعہ گُل

۱۳۶۵ھ

؎ یہ حضرت عارف کی بڑی بہن تھیں۔ آپ ان کا بہت احترام فرمایا کرتے تھے۔ ۱۷؍ ذی حجہ سنہ ۱۳۶۳ھ روزِ دو شنبہ رحلت پائیں۔ درگاہ موسویہ میں اپنے والدین اور چھوٹی بہن کے ساتھ محوِ استراحت ہیں۔

سنہ ۱۳۶۵ھ

تاریخ وفات سید شاہ مصطفیٰ قادری عرف رشید پاشا نبیرہ حضرت عارف

بود سہ شنبہ و روزِ چہاردہ
از ربیع الآخرِ ماہ سعید

چار سالہ رفت سید مصطفیٰ
وقت قبل صبح صادق می دمید

فالج و حُمّیٰ نخاعی بُد مرض
چوں سموم چشم و رخ بروے وزید

وا دریغا گشت ماہِ چہاردہ
زیرِ خاک پاک روضہ ناپدید

بچۂ باز از جہاں پرواز کرد
ناگہاں بر شاخ طوبیٰ در رسید

عارفؔ خستہ بجستہ گفت سال
آگیا جنّت میں ہے میرا رشید

۱۳۶۵ھ

؎ اپنے اس پوتے کو حضرت بہت محبوب رکھتے تھے اس لئے اس کی وفات سے آپ نہایت متاثر ہوئے اپنے لئے جو قبر بنوائی اس کے بازو اپنے پوتے کو دفن کیا اور لحد پر متذکرۂ صدر اشعار کندہ کروائے۔

سنہ ۱۳۶۵ ھ

تاریخِ وفاتِ دُخترِ میر وحید الدّین صاحب قادری

بست و دوّم از جمادی الاولیٰ بود | در عشاءِ پنجشنبہ شد وصال
گفت عارفؔ رفت از دارِ فنا | شہر بانو بیگم رحمت مآل

۱۳۶۵ ھ

سنہ ۱۳۶۵ ھ

برائے لوحِ مزار قاضی عبد القادر صاحب رضا قادری کرنولی

آسودہ در روضۂ رضواں | چوں گشتہ از دنیا عابر
تاریخش را عارفؔ گفتہ | لحد قاضی عبد القادر

۱۳۶۵ ھ

سنہ ۱۳ ۶۶ ھ

تاریخِ وفات دُخترِ میر بشیر الدّین علی صاحب

چو غرّۂ رمضاں بود روز یکشنبہ
و وقت یازدہ و نیم بود از ساعت

بگفت سالِ وے عارفؔ چو رفت از دُنیا
منیر بانُو بیگم بہشت پیرایہ

۱۳ ۶۶ ھ

برائے لوحِ مزار دخترِ غلام محی الدین صاحب تاجر

چار دہ شعبان و جمعہ عارفا
شب برات و وقت مغرب بود زاں

چوں الم بر داشتہ سر دید گفت
رفتہ مریم بی ز دُنیا در جناں

۱۳ ۶۶ ھ

تواریخ اعراس

جگر گوشۂ شیخ الکل

حضرت پیر سیّد محی الدّین ثانی قادری قدس سرہٗ

و

فلذۂ قطب الاقطاب

حضرت سیّد شاہ موسیٰ قادری قدس سرہٗ

حضرت پیر شہ سید محی الدین ثانی سید الابدال حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری الحموی قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں جن کا مزار پُرانوار کرنول میں زیارت گاہ خاص و عام ہے اور جوان "سبعہ قادری" میں ایک ہیں جو حماہ (شام) سے دکن تشریف لائے تھے۔ حضرت پیر شہ مادرزاد ولی تھے۔ ولادت کے بعد پدر بزرگوار کے سامنے جب پیش کئے گئے تو ارشاد فرمایا کہ یہ بہت جلد ہم سے جُدا ہو جائیں گے اور درجہ قطبیت کو پہنچیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آپ نے حیدر آباد کو اپنا مستقر قرار دیا۔ اور یہیں ۴ رجب ۱۰۸۵ھ کو وصال فرمایا۔ حضور غوث اعظمؓ سے سیرتاً و صورتاً مشابہت تام رکھتے تھے اس لئے "محی الدین ثانی" کہلائے۔ "عارف کامل محبوب خدا" سے سن وصال برآمد ہوتا ہے۔

حضرت سید شاہ موسیٰ صاحب قادری آپ کے پوتے ہیں رودِ موسیٰ کے کنارے آپ کی عالیشان گنبد واقع ہے۔ موسیٰ ندی۔ احاطہ موسیٰ قادری موسیٰ باؤلی آپ کے اسمِ گرامی سے ہی منسوب ہیں آپ کی اولاد امجاد نے بھی آپ سے اظہارِ نسبت کے لئے اپنے نام کے ساتھ "الموسوی" لکھنا شروع کیا۔

حیدر آباد میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت آپ کے مرہونِ منّت ہے۔ شعر و سخن سے آپ کو طبعی لگاؤ تھا چنانچہ "دیوانِ موسوی" آپ کے فارسی کلام کا مجموعہ ہے مگر ہنوز غیر مطبوعہ حالت میں ہے۔ ۱۲ ذی قعدہ ۱۲۱۵ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت پیراں صاحب قادریؒ نے "بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون" آپ کی تاریخ وصال تحریر فرمائی ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔

سنہ ۱۳۲۴ھ

عُرس سیّد شاہ موسےٰ قادری | ہے مُقرّر دلکشا و دلپذیر
مصرعِ تاریخ عارفؔ نے کہا | آج ہے یہ محفل شیخِ کبیر

۱۳۲۴ھ

سنہ ۱۳۲۵ھ

شاہ موسےٰ قادری قطبِ زماں | ہرچہ گویم وصفِ اُو موزوں بُوَد
سالِ عُرسش عارفؔ بےچارہ گفت | فیضِ جاری دایمی افزوں بُوَد

۱۳۲۵ھ

هٰذَا هُوَ الْعُرْسُ لِقُطْبِ الْوُجُوْدِ | مُحْیِّ دِیْنٍ وَ هُوَ قِبْلَتِیْ
نَادٰی لَهُ الرَّبُّ تَارِیْخَهٗ | کَاشِفُ اَسْرَارِ اُلُوهِیَّتِیْ

۱۳۲۵ھ

سنہ ۱۳۲۶ھ

اَتٰی عُرْسُ جَدِّیْ وَ کُلُّ الْوَرٰی | بِاَحْیَاءِ دِیْنٍ لَهٗ وَاصِفُ
فَاَرَّخْتُ بِاللهِ مَدْحًا لَهٗ | لِاَسْرَارِ تَوْحِیْدِهٖ کَاشِفُ

۱۳۲۶ھ

در عُرس جنابِ شاہِ موسےٰ | عارفؔ نگرد جلوۂ انوارِ خدا
سالش زسرِ چشمِ بصیرت بنگر | موسیٰ شجر و طُور و تجلّی یکجا

۱۳۲۶ھ

سنہ ۱۳۲۷ھ

عرس سید شاہ محی الدین پیرؒ — آمدہ اھلاً وسھلاً چوں بہار
عارفا خیز و سراپا گوش باش — تا بخوانم مدحِ او تاریخ وار
ہر کہ از راہِ ادب حاضر شدے — سیرِ وحدت او نمودے آشکار

۱۳۲۷ھ

اَتیٰ عُرس لِمَن ھُوَ ابن غوثٍؓ — کریمٌ اَحمدیٌ طاھِریٌ
بُدے۔ تاریخہ من (شاہ موسیٰ) — تقیٌ سیّدٌ و قادریٌ

۱۳۲۷ھ

سنہ ۱۳۲۸ھ

آمدہ عرس قطب الاقطابے — آنکہ شد پیر شہ خطابِ او
گشت مفتوح بر مرام خلق — ہمہ فائز بود ز بابِ او
مور آید شود سلیمانے — فیض بخشی بود جنابِ او
سال عرسش از و بجو عارف — مظہر حق بود جنابِ او

۱۳۲۸ھ

سنہ ۱۳۲۹ھ

عرس ہے محیِ دین ثانی کا — جو غلاموں کا اپنے کافِل ہے
اس کی تاریخ یہ کہو عارف — قطب اعظم کی آج محفل ہے

۱۳۲۹ھ

سنہ ۱۳۲۹ھ

ماءنا عرس لشیخ کامل　　فرد وقت شاہ موسی القادری
ال عارف داعیاً تاریخہ　　حزبنا ربی فیوض الموسوی

۱۳۲۹ھ

سنہ ۱۳۳۱ھ

ست عرس او کہ در دنیا و دیں　　آفتاب باطنی و ظاہری
ند عیاں تاریخ از وجہ جمیل　　عرس محی الدین ثانی قادری

۱۳۳۱ھ

ر عرس جناب پاک قطب عالم　　فرمود ندا سروش عرش اعظم
شوق بیا ببیں ز چشم عارف　　موسیٰ شجر و طور و تجلی باہم

۱۳۳۱ھ

سنہ ۱۳۳۵ھ

رسِ جدّ امجدِ ما شاہ موسیٰ قادری　　موجب خیر کثیر آمد بفضل ذی الجلال
ہر سالِ خوش مآلِ او خیالِ ما چو شد　　دل بہ عارف گفت (عرس شاہ موسیٰ بے مثال)

۱۳۳۵ھ

رس ہے اس شاہ کا جو خلق میں مشہور ہے　　جس کا جلوہ دو جہاں میں رشک شمع طور ہے
تف غیبی نے عارف سے کہی تاریخ عرس　　عرس موسیٰ قادری کا مرحبا کیا نور ہے

۱۳۳۵ھ

۱۳۳۶ھ

ہست عرسِ شیرِ یزداں شاہِ مردانِ خدا
آنکہ از کس بر جلیسِ اُو نباشد ہیچ باک
اسمِ آنحضرت خبر از سالِ اُو خود میدہد
پیر شاہ سیّد محی الدین ثانی جدّ پاک

۱۳۳۶ھ

کیوں ہجوم خلق ہے کس شاہ کا دربار ہے
بارگاہ فیض ہے بابِ رحمت ہے کھُلا
قلبِ عارفؔ نے دیا فوراً یہ تاریخی جواب
عُرس موسیٰ قادری معشوقِ یزداں کا رہا

۱۳۳۶ھ

آمدہ عرسِ شریف سیّدی
شاہ موسیٰ واقفِ رازِ الٰہ
مصرعِ تاریخ اُو شد فی البدیہہ
عرس موسیٰ بزمِ عارفؔ دستگاہ

۱۳۳۶ھ

ہست عرس پیر و مرشد شاہ موسیٰ قادری
مظہرِ حُسنِ ازل مرأتِ شانِ کبریا
جلوۂ تاریخ او از مصرعِ عارفؔ ببیں
عرس موسیٰ قادری بدرِ سپہر اینما

۱۳۳۶ھ

۱۳۳۹ھ

کے توانم شکر کردن در خور آلائے تو
"شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عارفا منت شناسی کنوں کہ بے خوف خطر
میکنی شادی عرس سیّد ملجائے تو"

۱۳۳۹ھ

سنہ ۱۳۳۹ھ

شہ محی الدین ثانی قادریؒ — نورِ عینِ شبّرؓ و شبیرؓ ہم
ہر سالِ عرس او عارف بگو — بزمِ عرسِ دستگیر و پیر ہم

۱۳۳۹ھ

چہ مشکلاتم نہ آساں شود — کہ عون است این علی پیر ما
زاں گفت عارف بتاریخ عرس — مبارک بود بزمِ شیرِ خدا

۱۳۳۹ھ

دل آج بحرِ فیضاں موّاج ہو گیا ہے — دامانِ مستمنداں گوہر کا کیوں ہے فاخر
دل پھول بن گئے ہیں کھل کر دلوں کی کلیاں — بادِ صبائے رحمت ہر سمت سے ہے صادر
غِ مراد کی سب گلگشت کر رہے ہیں — اور غوثیہ چمن پر ہر معتقد ہے حاضر
ڑکا یہ کچھ افاضہ دلبند شیخ کُل کا — الغوث للاصاغر و العون للاکابر
رف سے اس کا باعث سنئے مورخانہ — ہے عرس شاہ موسیٰ محبوبِ ربِّ قادر

۱۳۳۹ھ

سنہ ۱۳۴۰ھ

ے یہ عرس نورِ چشمِ اہلبیتِ مجتبیٰ — وصف میں جن کے نزولِ آیتِ تطہیر ہے
ں کی بزمِ پاک کی تاریخ ہجری عارفا — عرسِ طیجانی محی الدین ثانی پیر ہے

۱۳۴۰ھ

سنہ ۱۳۴۰ھ

ازدحام خلق کیوں ہے جمع کیوں احباب ہیں
کیا دکن کے آفتاب خاوری کا عرس ہے
یوں کہی تاریخ عارف سے نکل کر ایک نے
قطب و اصل شاہ موسیٰ قادری کا عرس ہے

۱۳۴۰ھ

سنہ ۱۳۴۱ھ

ہست عرس مظہر غوث الوریٰ
یا بی اولیٰ را چہ ثانی ہنگری
بے جدائی عارفا سالش ببیں
عرس محی الدین ثانی قادری

۱۸

۱۳۴۱ھ

سنہ ۱۳۴۲ھ

جاں فزا آمد بہار عرس آں غوث زماں
شد گلستان دکن عیش و طرب را جلوہ گاہ
عندلیب خامۂ عارف بباشش نغمہ زد
مرحبا شادی عرس شاہ موسیٰ واہ واہ

۱۳۴۲ھ

سنہ ۱۳۴۳ھ

ہست عرس سید عالی نسب
شیخ اُمت واقف راز الٰہ
عارفا از اسم او سالش بگو
قطب محی الدین ثانی پیر شاہ

۱۳۴۳ھ

سنہ ۱۳۵۰ھ

چو آمد جلسہ قرآن خوانی
و ہم اطعام و میلاد بیانی
ز عارف گشت تاریخ عیانی
رسوم عرس محی الدین ثانی

۱۳۵۰ھ

سنہ ۱۳۵۰ھ

منعقد شد بزم آں محبوب رب | کو ملقب پیر شاہ و من گدائے

گفت عارف سال شے رافی البدیہہ | عرس محی الدین ثانی رہنمائے

۱۳۵۰ھ

آنچہ چوں محفل قرآن خوانی و بیاں | نیز اطعام طعام و مولدِ شاہِ شہاں

گفت وجہ ایں مراسم نیز سالش عارفے | عرس سید شاہ موسیٰ قادری قطبِ زماں

۱۳۵۰ھ

سنہ ۱۳۵۱ھ

چو آمد عرس محی الدین ثانی پیر شہ صاحب | کہ بے شک ہست او ابنِ جنابِ غوثِ صمدانیؒ

بگفتہ مصرعِ برجستہ تاریخ او عارف | مبارک فوز عرس صدر کل محبوبِ ربانی

۱۳۵۱ھ

سنہ ۱۳۵۲ھ

ہست عرس پیر شہ محبوب ربانی حمید | کز غلامی جنابش مفتخر گشتہ وحید

مصرعِ تاریخ عارف گفت چوں بزمش رسید | مرحبا عرس محی الدین ثانی مجید

۱۳۵۲ھ

چونکہ آمد بزم اقراء کلام ذی الجلال | ہم طعام و مجلس میلاد بدر پر کمال

گفت عارف سال وی را نیز وجہ ایں سوم | عرس سید شاہ موسیٰ قادری عید وصال

۱۳۵۲ھ

سنہ ۱۳۵۳ھ

محفلِ محبوب ربّانیست ایں
کو ملقب پیر شر شُد بالیقیں

گفت عارفؔ سالِ بزم ابن غوثؒ
عرس محی الدین ثانی مہر دیں

۱۳۵۳ھ

ہست بزم آلِ پاک رحمۃٌ للعالمیں
نورِ چشم پیرِ پیراں حضرت غوث مکیں

مصرعِ تاریخ اُو را عرض کرد عارفؔ چنیں
عُرس سیّد شاہ موسیٰ قادری قطب امیں

۱۳۵۳ھ

سنہ ۱۳۵۴ھ

چوں شُد وا ابابِ فیض باطنی و ظاہری
چوں شد مخلوق بر دربارِ شاہی حاضری

عارفؔ قابِ شنو بر آمد از لبانِ ایں ہجوم
عرس سیّد پیر شاہِ محی دین قادری

۱۳۵۴ھ

ہست بزمِ عُرسِ آلِ پاک شاہنشاہِ دیں
قرۃِ عینِ حضورِ غوثِ اعظمؒ بالیقیں

سالِ اُو را از سرِ آداب عارفؔ گفت ایں
عُرس سیّد شاہ موسیٰ قادری کہف زمیں

دیگر تواریخ

سنہ ۱۲۳۵ھ

تاریخ تعمیر دیوان خانہ موسوی بار اوّل

چوں مدد فرمود محی الدین ثانی قادری — بازشد عمدہ بنا دیوانخانہ موسوی

۱۲۳۵ھ

سنہ ۱۳۳۵ھ

تاریخِ طباعت وسیلۂ نجات "قصایدِ نعتیہ حضرت آصف جاہِ سابع"

رسید دیواں زشاہِ ذیشاں دیا کہ آمد بجسم ہا جاں

کہ جاں بود ذکرِ جانِ جاناں حضور عالی صفات آقا

بہ شاہ روح القدس نگہباں شود کہ او کردہ کار احساں

زِ ذکرِ پاکِ شہ رسولاں فیوض یابد حیات افزا

اگرچہ بودہ بلیغ سحباں ولے کجا کُنہ ظلِ سبحاں

کہ نعت آموختہ زرحماں از دست بیحد نکات پیدا

چہا فواید خہے عوائد بعارفاں طرفہ تر موائد

بگو سنش ۔ نعتیہ قصاید زہے وسیلہ نجات بادا

۱۳ ھ ۳۵

۱۳۴۵ھ

تاریخ طباعت "گلزارِ ولی" (دیوان ابو البرکات الحسنا مولوی سید ولی اللہ حسینی عارف قادری)

اے بلبل اشتیاق درباب	انوارِ عیون و راحتِ تن
درباغ ولی گل مضامیں	بشگفتہ برنگہاے احسن
در مدحت وسعِ باغ ذہنش	گشتست زبان راز سوسن
عارف چو بدید گفت سالش	گلزار ولی خیال گلشن

۱۳ ھ ۴۵

۱۳۴۷ھ

تاریخ آدم نامہ مولفہ شاہ محمد عمر صاحب لطیفی القادری

شاہ محمد عمر نوشت	رمز عرفاں بہر انام
عارف سالش کرد رقم	آدم نامہ گشت تمام

۱۳ ھ ۴۷

سنہ ۱۳۴۷ھ

تاریخ ورودِ مسعود حضرت آصف جاہ سابع از کلکتہ (۲۶ رجب روز سہ شنبہ بوقت صبح سنہ ۱۳۴۷ھ)

زکلکتہ دریں جا شاہ آمد — نظام الملک آصفجاہ آمد
کہ آمد آنکہ در وصف جمیلش — زباں مرخامہ را کوتاہ آمد
بحال بے نوایاں دادرس شد — بامرِ مملکت آگاہ آمد
بہ فتح و نصرت و بخت و سعادت — بہ فیروزیٔ خاطر خواہ آمد
بخدمت گاریش اقبال بودہ — خوشا جاہ و حشم ہمراہ آمد
منور شش جہت شد از قدومش — ضیا افروز ہمچو ماہ آمد
شدہ رشکِ ارم ایں حیدرآباد — بآرائش چو او ہر گاہ آمد
بگلگشتِ چمن ہر گل خرامید — وحیدِ خوار ہم چوں کاہ آمد
زعارف سالِ مقدم ہر کہ پرسید — بگفتہ شاہ ظلّ اللہ آمد

۱۳۴۷ھ

تاریخ ورودِ مسعود حضرت آصف جاہ سابع از سفرِ دہلی (۱۰ جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۷ھ)

والیٔ ملکِ دکن رونقِ دہلی فزود — ثُمَّ اِلٰی بَیْتِہٖ قَدْ رَجَعَ بِالسَّلَام
عارفِ مسکیں دعا کرد بہ صبح و مسا — بادِ ملک می نمود وردِ قعود و قیام[1]

---

[1] کہ مسجد میں بعد نمازِ جمعہ حضرتِ عارفؔ نے اس قطعہ کو پڑھ کر دست بدست حضرت آصف سابع کے حوالہ کیا جس کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے موٹر تک تشریف لے گئے۔

بادِ بہاری رسید یا کہ سواری رسید — تا کہ شگفتہ ازو غنچۂ دلہا تمام
مصرعِ تاریخ زود ہجری و فصلی نمود — "آمدہ شاہِ نظام" ۔ "آں شہِ فیضِ انام"

۱۳۴۷ھ — ۱۳۳۸ف

سنہ ۱۳۵۰ھ

تاریخ ورودِ مسعودِ نواب اعظم جاہ بہادر و نواب معظم جاہ بہادر بعد ازدواج از لندن

بہ شادی چو شہزادگاں آمدند — ہمہ مخلصاں شادمانی کنید
چو عارف ملاقی شدہ گفت سال — بلطفِ ہمیں بر خوشا آمدید

۱۳۴۱ف

سنِ ہجریش نیز عارف نوشت — یسیر ہمایوں خوشا آمدید

۱۳۵۰ھ

تاریخ افتتاح کتب خانہ آصفیہ بدست حضرت آصف سابع*

چوں بنا فرمود سلطان العلوم — قصرِ عالیشان و زیبا بر محل
آصفیہ آں کتب خانہ کہ بود — بالیقیں فرمود در ایں جا محل
افتتاحش کرد با نفسِ نفیس — بر کشادہ بابِ علم و ہم عمل
گفت عارف سال و رافی البدیہہ — نقشِ آخر بہ زوال بے بدل

۱۳۵۰ھ

---

* یہ قطعہ اسٹیشن ناپملی پر دست بدست حضرت آصفِ سابع کو پیش کیا گیا۔

دیگر

درِ علم بکشاد عثمان علی خاں	و یا دا یفرمود چشم زمانہ
نمود عرض تاریخ عارف چو دیدہ	کتب خانۂ آصفیہ یگانہ

۵۰ ۱۳ ھ

۵۱ ۱۳ ھ

تاریخ تیاری نوبت خانہ بدرگاہِ حضرت سیدنا شاہ عبداللطیف قادری الحموی قدس سرہٗ

چوں بدرگاہ سیدالابدال	شُد بنائے بفضلِ ربِ مجیب
عرض نمود سالِ وے عارف	خانۂ نوبتِ دیارِ حبیب

۵۱ ۱۳ ھ

دیگر

قرص از نین چوں وحید القادری آوردہ است	ہمچو خور در بارگاہ رشکِ گردوں آمدہ
ہفت ساعت روز جمعہ دوم ماہ صیام	نصب اُو در روضۂ پُر نور میموں آمدہ
ہر طرف آوازۂ اُو رفتہ عارف سال گفت	نیک ساعت سُبھگڑی گھڑیال اکنوں آمدہ

۵۱ ۱۳ ھ

۱۳۵۲ھ

تاریخ تیاری باب نقروی برائے روضۂ حضرت سیدشاہ عبداللطیف قادری الحموی قدس سرہٗ

چوں بہ نذرِ لاابالی قادری
نقروی درشد بدرگاہِ لطیف

مصرعِ تاریخ عارف عرض کرد
نورِ وجہ بابِ الاسرارِ شریف

۱۳۵۲ھ

۱۳۵۴ھ

تاریخ سفرِ بغداد حضرت سید شاہ لطیف محی الدین صاحب قادری الموسوی برادرِ حضرت خورد عارف

چوں لطیفِ محیِ دیں اندر عراق
گشت زائر از پس بیت خلیل

از برائے سالِ ایں میموں سفر
گفت عارف "سیرِ بغدادِ جلیل"

۱۳۵۴ھ

۱۳۵۵ھ

تاریخ طبع کتاب "ارشادِ نوری" مؤلفہ حضرت سید مخدوم حسینی صاحب شیخ المنطق جامعہ نظامیہ

یَا اَیُّهَا الْاَحْبَابُ وَ الطُّلَّابُ
بُشْرٰی لَکُمْ بُشْرٰی بِخَیْرِ رَفِیْقٍ

جَاءَ الْکِتَابُ الْمُسْتَطَابُ لِسَیِّدٍ
مَخْدُوْمِ طَالِبِ کُلِّ رَمْزٍ دَقِیْقٍ

صَدْرُ الْاَسَاتِذَةِ الَّذِیْنَ تَفَضَّلُوْا
وَلَهُمْ فَخَارٌ مَا ءٌ هُمْ بِالِیْسَتِقٍ

فَخُذُوہ ثُمَّ اَتلُوہ وَاستَھدُوا بِہ ۔ وَبِہ ارتَقوا فِی ذِروَۃِ التَّحقِیق
ثُمَّ اسمَعُوا مِن عَارِفٍ تَارِیخَہ ۔ اِرشَادُ نُورِی بِسرَاجِ طَرِیق

۱۳۵۵ھ

دیگر

کراماتِ سبحانی لاجواب است

۱۳۵۵ھ

تاریخ طباعت کتاب "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ"

مؤلفہ پروفیسر صلاح الدین محمد الیاس برنی

صَنَّفَ السفرَ الیاسُ برنی ۔ ثُمَّ اَھدَاہُ لِی وَ اَرانِی
قُلتُ تَارِیخَ ھٰذَا کِتَاب ۔ کَاشِفُ مَذھَبِ القَادِیَانِی

۱۳۵۵ھ

تاریخِ طباعتِ کتابِ نذرِ عقیدت "مؤلفہ ابوالفضل سید محمود مولوی قادری محمود"

غوث الاعظم شاہِ شاہاں ۔ جانِ جہاں و جانِ جاناں
گفت ثنائش فرد و غوث ۔ قطب و ولی اعلیٰ و ذی شاں
مولوی محمود است عزیزم ۔ کرد ز جمع مدحش احساں
ز آں کہ بہ بندید چوں دُرِّ منثور ۔ داد چہ نظیم فراواں

فارسی۔ اُردو ہم از عربی
یکجا ساخت کلام پاکاں

دیدہ و دل را حاصل گشتہ
نورِ سُرور از دیدن ایشاں

مصرعِ سالش عارف گفتہ
"نذرِ عقیدۂ محسن آوال"

۱۳۵۵ھ

دیگر

طبع چو شد ایں نسخۂ نادر
مدحِ سبطِ حُسینؑ و حسنؑ

سالِ مسیحی گفتہ عارف
نذرِ عقیدت شاہِ زمن

۱۹۳۷ء

۱۳۵۶ھ

تاریخ تعمیر مسجدِ جُودی

میر عثمان علی خاں بادشاہِ دیں پناہ
کرد چوں تعمیر مسجد خانۂ ربُّ العا[لمین]

مصرعِ تاریخ اُو را گفت عارف فی البدیہہ
شد موثق مسجد جُودی ہمی بہر جوا[...]

۱۳۵۶ھ

دیگر

قَالَ الٰهِی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

۱۹۳۷ء

سنہ ۱۳۶۰ ھ

تاریخ سنگ بنیاد عزاخانۂ زہرا علیہا الصلوٰۃ والسلام

شاہ نہاد است چو سنگ بنا | شہرۂ او شد ز سمک تا سماک
گو سن تعمیر شدن عارفا | قصر عزاخانۂ زہراء پاک

۱۳۶۰ ھ

سنہ ۱۳۶۲ ھ

تاریخ طباعت "میخانۂ محبت" مرتبہ سیدہ عبد الرزاق شاہ صاحب قادری الموسوی جعفری برادر زادہ حضرت عارف

جعفر نمود جمع ز ہے از بیاں ہا | پُر از مئے محامد ساقیٔ اولیا
عارف چو مست گشت ازاں گفت سال او | میخانۂ محبت جاوید اولیا

۱۳۶۲ ھ

تاریخِ تقررِ ابوالفضل سیّد محمود قادری بخدمتِ منصفی

چاہیے اہلِ حکومت کو کہ ہوں بے غش و غل
مجتنب رشوت سے ہوں اور فارغ حرمت و حل

وہ چلیں نقشِ قدم پر آل اور اصحاب کے
جن سے یہ دینِ متیں پھیلا حرم سے تا بحل

ایسے پابندِ شریعت ہوں کہ جن کے حکم سے
ہوں مطیعِ جنّات و انساں اور حیواں ممتثل

ہوں معزز اہلِ حق کے گرچہ وہ کمزور ہوں
اہلِ باطل زور والوں کے وہ ہو جائیں مُذل

وہ سفارش کو نہ دیکھیں بلکہ وہ دیکھیں ثبوت
کیونکہ صدق و کذب کی ہے یہ سفارش محتمل

رہبرو رہبر وہ ہوں ایسے جب چلیں جس راہ پر
ان کا راستہ چھوڑ دے کر بھاگے شیطان مُضل

ہوں جو کج رو ان کے ڈر سے آئیں سیدھی راہ پر
جس طرح جاتا ہے سیدھا سانپ ہوکر سوئے بل

دادِ مظلوموں کی دیں اور ظالموں کو دیں سزا
عدل گستر ہوں کہ تا بن جائیں وہ مقسط کے ظل

گر کوئی موذی کی تیغِ ظلم سے بسمل بنے
ہوں مراہم ان کے مرہم زخم کے ہوں مندمل

عدل ان کا ابرِ رحمت کا کرے کام اور بجھائے
سینۂ حاسد میں جب نارِ حسد ہو مشتعل

ان کا قطعی حکم کر دے حق سے یوں باطل جدا
وصل کا ہمزہ گرے ماقبل سے ہو منفصل

ان کے مہر قہر سے چھٹ جائے ظلمت ظلم کی
ہوئے حق کا بول بالا اور باطل مضمحل

کیا عجب انصاف ان کا دیکھ کر اک گھاٹ پر
پانی پینے کے لئے جو باگ بکری جائیں مل

بحر و بر میں جانوران کے دعا گو ہو رہیں
خوش ہیں ان سے یہ سارے ساکنانِ آب و گِل

ایسے حاکم ہوں حکومت پر تو پھر کیا پوچھنا
ز آمدِ شاں مرحبا گوید زبانِ اہلِ دل

اس طرح کا فضل کچھ عارف نے دیکھا تو کہا — لا طمع محمود آیا منصفی پر مستقل

۱۳۶۲ھ

نظم یہ تاریخ سے مخصوص کب ہے دوستو — حاکموں کی خیر خواہی پر بھی ہے یہ مشتمل

خوش بود کاید دو کار از یک کرشمہ عارفا — زاں بسلک نظم سُفتم [illegible] صد امر تجلی

گر کسے آوازۂ ما شنود از سمع قبول — گوش او را [illegible] ایں جہد المقل

ناصحا خاموش رہ کچھ ہے بڑوں کا بھی خیال — ذکر و فکر و شغل میں ان کے نہ ہو جا تو مخل

ختم کر دے نظم کو اور قافیوں پہ دے نہ طول — بات ہو ما قل و دلّ تا نہ ہو جائے مُمل

تیری خاموشی ہے سونا گر ہے چاندی بولنا — گفتگو تیری کہیں تجھ کو نہ ہو جائے مُزل

۱۳۶۴ھ

تاریخ اِستردادِ سکندر آباد

شگونِ نیک پیدا گشت اکنوں — برائے یافتِ اضلاعِ سرکار

بگفت ایں مصرعِ تاریخ عارف — سکندر آباد واپس گشت یکبار

۱۳۶۴ھ

۱۳۷۲ھ

تاریخ تعمیرِ دیوان خانۂ مُوسوی بارِ دُوم

از عنایاتِ محی الدین ثانی قادری — شد مددِ عمدہ بنا دیوانخانہ موسوی

۱۳۷۲ھ

ہر گاہ کہ حضرت تاجدارِ دکن آصف سابع میر عثمان علی خان مرحمت فرمودند تحریر یافت

یا الٰہی یاد فرمائے مرا
تو بفرما یاد با جود و عطا

حشمت و اقبال و جاہ و سلطنت
ہم بیفزایش بآل مصطفیٰ

آل و اولادش بباشند شاد شاد
ایں شود مقبول از من مدعا

از دعایش کے شود غافل دلم
چوں فراموشم نفرمود از ولا

یاد فرمائی دلیل حب بود
زاں شدم بریاد فرما مبتلا

نزد فقرا ہیچ شے شہوار نیست
جز ہمیں یک تحفۂ دُرِّ دعا

بعد ذکر حق و صلوات نبیؐ
وردِ عارف شد دعائے تو شہا

سراپائے عارفؔ

گزشتہ سال سالانہ مشاعرہ طرح ذیل پر ہوا ؎

مُرید حضرتِ عارفؔ ہے شیدا غوثِ اعظمؒ کا

خیال ہوا کہ اس موقع پر حضرتِ عارفؔ کا سراپا تحریر کروں۔ ان کی صورت اور سیرت کی تصویر کھینچوں۔ اشعار میں ان کے حال وقال اور چال ڈھال کا نقشہ پیش کروں۔ خیال عملی جامہ پہنا بحمداللہ سعی کامیاب رہی۔ اشعار پڑھے گئے اور بار بار پڑھے گئے مجمع پر ایک عجیب عالمِ بیخودی طاری ہو گیا تھا۔ جذبات پر قابو رکھنا دشوار تھا۔ مجلس قال مجلسِ حال میں تبدیل ہو گئی۔ شائقین کے اصرار پر دوبارہ پیش ہے۔

ابوالفضل سید محمود محمودؔ

عیاں تھا صاف عکسِ روئے زیبا غوثِ اعظمؒ کا
دلِ عارفؔ تھا یا آئینہ خانہ غوثِ اعظمؒ کا

جب ان کی پاک صورت اور سیرت سامنے آئی
نگاہوں میں اُتر آیا سراپا غوثِ اعظمؒ کا

لباسِ زہد بر اور عمامہ فضل کا سر پر
پھر اس پر یہ شرف پایا گھرانا غوثِ اعظمؒ کا

یہ وہ دل تھا بسی تھی جس میں اُلفت غوثِ اعظمؒ کی
یہ وہ سر تھا بسا تھا جس میں سودا غوثِ اعظمؒ کا

یہ وہ سینہ تھا جس سے چشمے عرفاں کے اُبلتے تھے
سِمٹ آیا تھا اس کوزے میں دریا غوثِ اعظمؒ کا

یہ وہ ساقی تھا جس نے اپنی مستانہ نگاہی سے
خرد مندوں کو دیوانہ بنایا غوثِ اعظمؒ کا

یہ وہ رہبر تھا جس نے باطل و حق کے دوراہے پہ
کھڑے ہو کر بتایا سب کو رستہ غوثِ اعظمؓ کا

مُریدی لاتخف اللہ ربّی پر وہ عزم اس کا
وہ ہر مشکل میں اس کا نام لینا غوثِ اعظمؓ کا

حمایت اہلِ حق کی کی ہمیشہ پوری جرأت سے
بہر قیمت چلایا اس نے سکّہ غوثِ اعظمؓ کا

پرے ٹوٹے صفیں اُلٹیں، دلِ اعدا لرز اُٹھے
کڑک کر جب کبھی نعرہ لگایا غوثِ اعظمؓ کا

مرے کانوں میں اب تک گونجتی ہے یہ صدا اس کی
قیامت تک رہے گا بول بالا غوثِ اعظمؓ کا

غلامِ شاہِ جیلانی کا کیسا دبدبہ ہو گا
شرف رکھتا ہے جب شیر و ہی کُتّا غوثِ اعظمؓ کا

بہر صورت وہ رکھ لیتے ہیں لاج اپنے غلاموں کی
اَنَا جَیّدٌ ہے اس جانب اشارا غوثِ اعظمؓ کا

ابھی تک جھومتے ہیں اہلِ محفل کیف و مستی میں
لبِ شیریں سے وہ قصّہ سُنایا غوثِ اعظمؓ کا

غرض میں کیا بتاؤں کیا تھا حال و قال عارف کا
نظر میں ان کی تھا کیا کیا تماشا غوثِ اعظمؓ کا

پڑھا کرتا ہوں جب مَعَ مَنْ اَحَبَّ تو سوچتا ہوں میں
کہ حاصل کتنا ان کو قُرب ہو گا غوثِ اعظمؓ کا

نظر محمود یوں تو کیا نہیں آتا ہے دُنیا میں
نظر آئے نہ شاید ایسا بندہ غوثِ اعظمؓ کا

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قطعاتِ تاریخ طباعت "ارشاداتِ مولانا عارف" موسوم بہ "کلامِ عارف"

۱۳ھ ۸۶

از

جنابِ ابو الحسنات مولوی سید ولی اللہ صاحب قادری الابراہیمی ولی

بنگر از چشمِ حقیقت بنگر | لاجواب ست "کلامِ عارف"
آمد از فکر چہ روشن تاریخ | آفتاب ست کلامِ عارف

۱۳ھ ۸۶

دیگر

ں کیوں دل نشیں، دلکش، دل افروز | یہ ملفوظاتِ عالمِ با عمل ہیں
عت کی ولی تاریخ کہہ دے | یہ ارشاداتِ عارف بے بدل ہیں

۱۳ھ ۸۶

دیگر

ز سعیٔ بو الفضل محمود ناظم | طباعت یافت ایں افکارِ محبوب
ولی چوں کرد فکرِ سال از غیب | ندا آمد۔ "بہارستانِ مرغوب"

۱۹۶۷ء